لوک کہانیوں کے تراجم اور ایرانی لوک کہانیوں کی اُردو زبان میں تہذیب و ترجمہ کی روایت

ڈاکٹرمحمد نوید*،ڈاکٹر طاہرہ صدیقہ**

Abstract:

"This research article presents a brief review of the tradition of folklore. The servies of Shafi Aqeel cannot be underestimated in this field. He took the local folklores out of the oral tradition and compiled them in the written form. In addition, he also translated folklores from around the world into Urdu. This article presents a study of the contributions of Shafi Aqeel, Dr. Tehseen Firaqi and Dr. Moeen Nizami (with a special reference to his recently published book Safaid Parinda) in translating the Iranian folklores into Urdu. It will also analyze the importance of folklores for modern human mind and its necessity in human life."

اس تحقیقی مقالے میں لوک کہانی کی روایت کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے۔اس حوالے سے اُردو زبان و ادب میں شفیع عقیل کی خدمات نا قابلِ فراموش ہیں،جنھوں نے نہ صرف مقامی لوک کہانیوں اور داستانوں کو زبانی روایت سے نکال کر تحریری صورت میں جمع و مرتب کیا بلکہ دنیا کے مختلف ممالک کی لوک کہانیوں کو اُردو میں ترجمہ کیا۔ایرانی لوک کہانیونکے اُردو تراجم کی روایت میں شفیع عقیل اور ڈاکٹر تحسین فراقی کے بعد معین نظامی کی خدمات ،اُن کی تازہ مطبوعہ کتاب سفید پرندہ(ایرانی لوک کہانیاں) کے حوالے سے ،کا مُطالعہ پیش کیا گیا ہے۔اس سے آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی انسان کی لوک کہانیوں سے دلچسپی اور اُن کی انسانی زندگی میں اہمیت اور ضرورت کا تعین ہوگا۔

کلیدی الفاظ: فوک لور، لوک ورثہ اور ثقافت،ایرانی لوک کہانیوں کی باز نویسی،علم البشریات، موضوعاتی تنوع،اساطیری عناصر،بچوں کے لیے اخلاق و حکمت کا درس یا پندو نصائح۔

دنیا کی ہر زبان اس زبان کے بولنے والوناور ان کی تہذیب اپنی لوک

---

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، وفاقی اُردو یونیورسٹی ، اسلام آباد
** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُرود،کنئیرڈ کالج یونیورسٹی برائے خواتین ، لاہور

داستانوں اور کہانیوں کے ساتھ زندہ رہتی ہے۔انسان اپنے تہذیبی ارتقا کے ابتدائی دور میں ہی اس حقیقت سے آگاہ ہو چکا تھا کہ کسی بات کو بالواسطہ انداز میں آگے بڑھا کر کیا فوائد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔داستانیں اور لوک کہانیاں کسی معاشرے کی ابتدائی کاوش کے نتیجے میں غیر ارادی طور پر ابھرتی ہیں۔یہ داستانیں اور لوک کہانیاں اپنے معاشرے کی اجتماعی فکر،زاویہ نظر،رسوم و رواج اور اقدار کی عکاسی کرتی ہیں۔اسی لیے کسی مخصوص سماجی اکائی یا کسی کسی خاص معاشرے اور تہذیب سے واقفیت اور تعارف کے حصول کے لیے لوک دا ستانوں ،لوک شاعری اور موسیقی کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے
۔

اللہ تباک و تعالیٰ نے یہ تمام کائنا ت ،ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اور تمام تر علوم انسان کے لیے تخلیق فرمائے۔انسان کی فطرت مینیہ چیز روزِ ازل سے رکھ دی گئی ہے کہ وہ براہ راست پند و نصیحت کی باتوں کا اثرآسانی سے قبول نہیں کرتا تا ہم اگر یہی پندو نصیحت کیباتیں اُسے قصے کہانیوں کی صورت میں بتائی جائیں تو ان کا اثر اُس کے ذہن پر دیرپا ہوتا ہے۔انسان کا قصے کہانیوں سے ازل کا رشتہ ہے ،جن کے سحر سے وہ نہ صرف کم عمری میں بلکہ تمام عمر نکل نہیں پاتا۔زمانہ ٔ قدیم سے انسان تحیر و اسرار میں لپٹی قصہ کہانیوں اور لوک علاقائی داستانوں میں دلچسپی لیتا آیا ہے ۔پہلے یہ زبانی روایات کی صورت میں سینہ بہ سینہ اپنا سفر جاری رکھے ہوئے تھیں مگر وقت کے گزران کے ساتھ ساتھ انھیں احاطۂ تحریر میں بھی لایا جانے لگا۔ہر خطے ،ہر علاقے کی اپنی مخصوص روایتی کہانیاں مشہور ہوتی ہیں جن میں اُس مخصو ص علاقے کے رسم و رواج،تاریخ،خاص طرزِ معاشرت اور ضرب الامثال اور محاورات موجود ہوتے ہیں لیکن یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بنیادی اخلاقی تعلیمات ساری دنیا کے ادب اور ہر خطے کی جغرافیائی حد بندیوں کے باوجود مشترک معلوم ہوتی ہیں جیسا کہ سچائی پر کاربند رہنا،اپنے فرائض سے کوتاہی نہ برتنا،ذاتی مفاد سے ہٹ کر انسانیت کی فلاح کا درس،بہادری ،نیکی اور خوش اخلاقی وغیرہ۔چنانچہ عالمی سطح پر بچوں کے ادب کی تخلیق بے حد اہمیت کی حامل ہے۔

شاعر،صحافی ،محقق اور مدیر شفیع عقیل نے اپنے ادبی ذوق کے مطابق صحافت کو بطور پیشہ اختیار کیا۔ابتدا میں بچوں کے رسالہ بھائی جان کے مدیر بنے۔۱۹۵۰ء میں روزنامہ جنگ کراچی سے وابستہ ہوئے اور میگزین ایڈیٹر کے فرائض انجام دینے کے ساتھ آرٹ پر کالم بھی لکھتے رہے۔اس کے علاو ہ ہفت روزہ ماحول کے ایڈیٹراور مجید نظامی مرحوم کے ساتھ پندرہ روزہ نمکدان کے اسسٹنٹ ایڈیٹر بھی رہے۔پھر ۱۹۸۶ء سے ۱۹۹۶ء تک ہفت روزہ اخبار جہاں کے ایڈیٹر اور ایڈیٹوریل ڈائریکٹر بھی رہے۔انھوں نے سنجیدہ ادبی مضامین لکھے ۔پنجابی ادب کے کلاسیکی ادب اورادبا پر تحقیق کی۔ہاشم شاہ،شاہ

حسین،ماموشاہ عباسی،خواجہ غلام فرید،میاں محمد بخش پرقابل قدر تحقیقی کام کیا۔پنجابی کے پانچ قدیم شاعرکے عنوان سے اُردو میں تصنیف کردہ کتاب انجمن ترقی بورڈ سے شائع ہوئی۔اس کے علاوہ انھوں نے پنجابی کی لوک کہانیوں کو جمع کرنے کی جانب بھی توجہ دی اور انھیں ایک مجموعہ کی صورت میں مرتب کر کے بعنوان پنجابی کی لوک کہانیاں شائع کیا۔یہ کتاب یونیسکو کے زیر اہتمام سات زبانوں میں شائع ہو چکی ہے۔اسی سلسلے کی ایک دوسری کتاب پنجابی کی لوک داستانیں ہے۔شفیع عقیل کو قدیم اور کلاسیکی ادب کی تحقیق کا ذوق و شوق ا نھیں پنجاب سے نکال کر چین اور جاپان لے گیا اور انھوں نے وہاں کی لوک کہانیاں بھی جمع و ترجمہ کیں۔

لوک کہانیوں کے موضوع پر انھوں نے ۱۹۵۰ء میں کام کا آغاز کیا تھا۔اس ضمن میں انھوں نے اپنی سر زمین کے مختلف خطوں کی کہانیوں کا مطالعہ کیااور پھر دنیا کے دیگر ممالک کی لوک کہانیوں کا تقابلی مطالعہ کیا۔پھر انتخاب کے بعدان کی تہذیب و ترتیب کی اور اردو میں منتقل کر کے کتابی صورت میں شائع کیا۔لوک کہانیوں کی اس سلسلے کی شفیع عقیل کی تقریباً گیارہ کتب منظر عام پر آچکی ہیں ،جن میں پاکستان کے علاوہ جرمنی ،جاپان،چین اور ایران شامل ہیں۔انھوں نے اپنی مطبوعہ کتب کے دیباچوں میں الگ الگ حصوں میں لوک کہانیوں کی وضاحت بھی کی ہے۔شفیع عقیل نے اپنی کتب کے دیباچوں میں لوک کہانیوں کے مفہوم ،ان کی علامتوں،ان کی تاریخی اہمیت،ان کی تہذیبی و ثقافتی حیثیت،ان کی درجہ بندی اوران کے ادبی مقام کے بارے میں بھی تفصیلی معلومات فراہم کی ہیں۔اس سے قارئین کے لیے لوک کہانیوں کے مفہوم ،ان کے مقاصد اور عالمی سطح پر ان کے تراجم کی اہمیت کی وضاحت با آسانی ہو سکتی ہے۔ایک سنجیدہ ادبی اور تحقیقی شخصیت کے ہاتھوں ادب کے ایک اہم گوشے یعنی لوک کہانیوں پر کام کی ابتدا سے ایک طرف اُردو ادب میں اضافہ ہوا اور دوسری جانب مقامی لوک کہانیوں اور عالمی سطح پر دیگر زبانوں کے ادب سے اس کے تقابلی مطالعے اور اُردو کے قالب میں انھیں ڈھال کر پیش کرنے سے معاشرے میں اچھائی اور نیکی پھیلانے کے حوالے سے بڑ ی اہم خدمت انجام دی گئی ہے۔

شفیع عقیل صاحب کے لوک کہانیوں پر کام کے سلسلے کی ابتدائی کڑی پنجابی لوک کہانیاں ہے ۔اس کتاب کے دیباچے میں انھوں نے لوک کہانیوں کے حوالے سے تفصیلی تحقیقی نوعیت کی بحث کی ہے اس ضمن میں سب سے پہلی بات جس کی جانب انھوں نے توجہ دلائی ،وہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں اکثر لوک کہانی کا لفظ غلط معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے ۔ عموماً لوگ لوک کہانی جانوروں کی کہانی ،بھوت پریت کی کہانی ،پریوں ، رزمیہ کہانیوں ،دیو مالائی اور نیم تاریخی کہانیوں کے معنی و مفہوم میں فرق کو ملحوظ نہیں رکھتے:

''اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اردو زبان مینیایوں کہہ لیجیے ہمارے ادب

میں لوک کہانی کا مفہوم غلط ملط ہوکر رہ گیا ہے۔عالم یہ ہے کہ ہمارے بعض بڑے دانشور اور جگادری قسم کے نقاد و محقق بھی اس روش عام کا شکار نظر آتے ہیں۔یہ بات اپنی جگہ جس قدر حیرت ناک ہے،اس سے کہیں زیادہ افسوس ناک بھی ہے۔مغربی دنیا کی بعض یونیورسٹیوں اور ثقافت کے تحقیقی اداروں میں لوک ادب کے موضوع پر جو تحقیق و تلاش کی گئی ہے اس میں ان کہانیوں کی باقاعدہ درجہ بندی کی گئی ہے اور popular tale(مقبول یا عوامی کہانی) یا پھر popoluar story کو مختلف اقسام میں تقسیم کر کے ترتیب دیا گیا ہے لیکن ہمارے ہاں ابھی اس طرح کی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی اور نہ ہی لوک کہانیوں کا سائنٹیفک طریقے سے جائزہ لیا گیا ہے۔''(۱)

دراصل قصے کہانیاں کہنا اور سننا ابتدا سے ہی انسانی طبیعت کاخاصہ رہا ہے۔قدیمی دور میں انسان جب گھنے جنگلات ،تاریک غاروں اور پہاڑوں میں رہا کرتا تھا ،اُس وقت بھی وہ قصے کہانیوں کا اسی طرح شوقین رہا ہو گا جیسا کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں دکھائی دیتا ہے۔یوں معلوم ہوتا ہے کہ انسا ن نے جب آپس میں بات چیت کا آغاز کیا ہوگا، اُسی وقت انسان کا داستان گوئی سے تعلق پیدا ہو گیا ہو گا۔خواہ وہ زبان الفاظ کی قید سے آزاد رہی ہو یا محض اشاروں کنایوں تک محدود ہو،لیکن ایک دوسرے کو اپنے کارنامے سنانااور قصے کہانیاں کہنا ابتدا سے ہی انسان کا فطری مزاج رہا ہے۔لوک کہانیوں کی قدامت کے حوالے سے حتمی طور پر کوئی بات نہیں کہی جا سکتی کیونکہ تحقیق کا علم وہاں جا کر رک جاتا ہے جہاں سے تحریر کی ابتدا ہوئی۔وہاں سے تاریخ اور ادوار کی کڑ یاں ملائی جا سکتی ہیں مگر وہ قدیم لوک کہانیاں جو اولاً ضبطِ تحریر میں لائی گئیں ،اگر اُن کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ وہ کہانیاں جس بھی صورت میں زبانی روایت کا سفر طے کرتی رہیں یا جس شکل میں تحریر کی گئیں ،اس کے لیے انھیں صدیوں کی مسافت طے کرنا پڑی ہوگی۔اس کی بنیادی توجیہ یہ ہے کہ لوک کہانیاں کسی ایک انفرادی ذہن کی تخلیق نہیں ہوا کرتیں بلکہ ان کی تصنیف اور تالیف و ترتیب میں مختلف ادواراور مختلف زمانوں کے افراد کے اذہان نے اجتماعی طور پر حصہ لیا ہے۔ دنیا کی ہر زبان اور عالمی سطح پر ہر خطے کے لوک ادب کے حوالے سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسے مختلف عہد کی روایات و اقدار جنم دیا کرتی ہیں،ان کی تخلیق میں افراد کے مشترکہ جذبات و احساسات حصہ لیتے ہیں اور یہ صدیوں کی طویل مسافت طے کر تی ہوئی ایک مخصوص روپ اختیار کرتا ہے۔لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ لوک گیت،لوک قصے کہانیاں اور رزمیہ و نیم تاریخی داستانیں مجموعی طور پر انسانوں کی مشترکہ تخلیق ہیں۔

لوک کہانیوں کے حوالے سے ایک عمومی خیالیہ بھی ملتا ہے کہ یہ محض تخیلا تی،بے مقصد ،من گھڑت اور نا قابلِ یقین قصے ہوتے ہیں ،جن کا تعلق انسان کی حقیقی زندگی سے کوئی ربط نہیں ہوتا۔یوں اس حقیقت کو نظر

انداز کر دیا جاتا ہے کہ ایک صداقت سے صرف ِ نظر کیا جا رہا ہے۔اس ضمن میں یہ بات مد نظر رہنی چاہیے کہ لوک کہانیاں موجودہ دور کے با شعور ،صاحب ِ ادراک اور ترقی یافتہ انسان کی وہ ادبی و تہذیبی میراث ہے ،جسے آج سے ہزاروں برس قبل کے اُن انسانوں نے تخلیق کیا جو ذہنی و فکری طور پر ابھی ابتدائی مراحل میں تھے۔گویایہ لوک کہانیاں تاریخ کے اُس دور کی نشاندہی کرتی ہیں جب علم و ادب ،تہذیب و ثقافت اور انسانی تمدن کا آغاز ہو رہا تھا۔ اس لیے ان کہانیوں کو خیالی ،غیر حقیقی یا لغو کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔البتہ یہ بات بھی درست ہے کہ ان لوک کہانیوں میں تاریخییا سماجی عوامل اُس صورت میں نہیں ملتے ،جیسا کہ توقع کی جاتی ہے مگر یہ کہانیاں اُس عہد کے انسانوں کی اجتماعی تخلیق ہیں جو ترقی یافتہ دور کے انسان کی مانند تاریخ اور سماج کا شعور نہیں رکھتے تھے۔خود تاریخ اور سماج بھی اُس وقت اپنے ابتدائی مرحلے پر تھا۔اس کے علاوہ اُس دور کا انسان کئی قسم کے توہمات کا بھی شکار تھا۔بہت سے حقائق کی تاویلات کرتا اور بہت سے عوامل کے رد عمل سے ناواقف بھی تھا۔لہٰذا لوک کہانیوں میں خالص تاریخی اور سماجی رویوں کا مطالبہ کچھ مناسب معلوم نہیں ہوتا ۔لیکن لوک کہانیاں تاریخی اور سماجی حوالوں سے اشارات سے بھری پڑی ہیں۔پرانے زمانے کے ہاتھوں پر پہاڑ اٹھا لینے والے بہادر،پاؤں رگڑ کر دھرتی سے چشمے جاری کرنے والے،موت کو پائے کے ساتھ باندھ دینے والے اور سورج کو دانتوں تلے دبا لینے والے،نیک ،رحمدل اور ظالم بادشاہ،خوبصورت شہزادیوں کی تلاش میں مارے مارے پھرنے والے شہزادے،ویرانوں بیابانوں میں مشکلات میں گھرے بہادر،سچائی،پیار اور انسانی ہمدردی کی خاطرناقابل یقین دکھ جھیلنے والے،دیوی دیوتا،سونے چاندی کے محلات،پلک جھپکتے میں ایک دیس سے دوسرے دیس میں پہنچا دینے والے مہادیواور ایسے بے شمار کردار لوک کہانیوں کے کردار ہینجو قدیم زمانوں سے تاریخ اور ہمارے سماج میں بس رہے ہیں۔

لوک کہانیاں محض فرضی قصوں پر مبنی افسانوییا خوابوں کی دنیا کی باتیں نہیں ہیں بلکہ ان کے اندر بہت سا ایسا مواد موجود ہوتا ہے جو ہمیں ان کی حفاظت کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ان کہانیوں کے ذریعے جہاں قدیم زمانے کے انسانوں کی سوچ اور ادبی رجحانات کا علم ہوتا ہے وہیں اُن کے خیالات،رسوم و روایات،طرز ِ بود و باش،توہمات اور اوہام کے بارے میں بھی معلومات ملتی ہیں۔یہ کہانیاں زندگی سے انتہائی قریب معلوم ہوتی ہیں ان میں عقل و دانش کا درس صرف الفاظ کے ذریعے ہی نہیں کرداروں کے اعمال سے بیان کیا جاتا ہے۔مقبول لوک کہانیاں تین حصو ں میں تقسیم کی جا سکتی ہیں۔دیو مالائی کہانیاں ،نیم تاریخی روایتی کہانیاں اور تفریحی کہانیاں۔ان میں دیو مالائی کہانیاں خاص طور پر ایک مقصد کی حامل ہوتی ہیں ۔ان کہانیوں کے ذریعے

سے یہ معلوم ہوپاتا ہے کہ زمین اور آسمان کیسے الگ الگ ہوئے،قدرتی طور پر پیش آمدہ واقعات جیسے بارش کا ہونا اور چرند پرند کے خصائص کے حوالے سے معلومات اور تہذیب انسانی کی اصل کو جاننے کا موقع ملتا ہے یعنی کسی خا ص کردار نے کسی تہذیب پر کیا اثرات مرتب کیے ہیں۔اس کے علاوہ سماجی اور مذہبی رسومات کی حقیقت کیا ہے یعنی جن اشیا کی پوجا کی جاتی ہے ان کی اصلیت کیا ہے۔

دنیا کے مختلف خطوں میں دیو مالائی کہانیوں کے متعدد مشترکات کا سبب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ذہن مینیکساں قسم کے اُبھرنے والے خیالات کے جوابات بھی یکساں ہوا کرتے ہیں۔لیکن سماجی اور مذہبی رسومات کی توجیہات پر مبنی کہانیاں اس لیے مختلف ہوتی ہیں کہ وہ جن مقامی دیوی دیوتاؤں کے بارے میں ہوتی ہیں ،اُن کے حوالے سے مختلف رسومات اور روایات کی عکاسی کرتی ہیں۔جہاں تک تاریخی کہانیوں کی بات ہے تو اُن کی اصل تو ضرور کوئی تاریخی حقیقت ہی ہوتی ہے مگر دیو مالائی استفادے سے ان میں حالات کی مناسبت سے کمی بیشی کر لی جاتی ہے۔مختلف اقوام کی نیم تاریخی کہانیوں میں یکسانیت کا سبب یہ ہے کہ وہ اتفاق سے ایک ہی جیسے حالات سے گزرتی ہیں ۔اور جہاں تک ان کی اسلوبیاتی یکسانیت کا تعلق ہے تو اس میں بھی اسی حد تک یکسانیت ملے گی ،جس حد تک وہ کہانیانیکساں ہوں گی کہ جن سے انھیں اخذ کیا گیا ہے۔

مغربی محققین کی تحقیقات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یورپی لوک کہانیاں برصغیر پاک و ہند کی لوک کہانیوں سے مستعار لی گئی ہیں۔ ان محققین نے یہ بات ثابت کی کہ لوک کہانیوں میں بعض قسم کی پائی جانے والییکسانیت کا سبب یہ ہے کہ قصے کہانیاں ایک جگہ سے دوسری جگہ پھیلے۔دوسری بات انھوں نے یہ ثابت کی کہ ہندوستانی یا برصغیر پاک و ہند کی لوک کہانیوں کا بہت بڑا ذخیرہ ایسا ہے جو بلا شُبہ یورپی لوک کہانیوں پر اثر انداز ہوا۔لیکنیہ حقیقت ہے کہ یہ لوک کہانیاں عربی اور فارسی زبانوں سے ترجمہ ہو کر یورپ میں پہنچی تھیں۔اس اثرکو فروغ دینے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ یورپ سے لوگ یروشلم کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے۔صلیبی جنگوں اور اس کے علاوہ مشرقی اور مغربی تہذیبوں کے مابین اسلام کی مادی اور فکری ترقی کے باعث بھی ربط بڑھااور یوں ازمنہ وسطیٰ سے مختلف خطوں میں کہانیوں کا تبادلہ جاری رہا۔تاہم چند کہانیاں ایسی بھی ہیں جو ازمنہ قدیم یعنی پانچویں صدی قبل مسیح میں بھی مشترک تھیں۔لیکن یہ بات باور کرنا مشکل ہے کہ کہانیاں گھڑنے کی ذمہ داری ہندوستان ہی کے حصے میں آتی ہے۔اس دلیل میں کوئی معقولیت نہیں ہے کہ آج جو کہانیاں مرتب شدہ صورت میں موجود ہیں ،اُن کی اصل ہندوستان میں زبانی روایت والی لوک کہانیوں میں ملتی ہے کیونکہ اس بات کی کوئی ضمانت نہیں کہ ان کہانیوں نے ہندوستان کی سرزمین میں ہی جنم لیاالبتہ اس بات پر یقین

کرنے کی بہت سی وجوہات موجود ہیں کہ بیشتر کہانیاں ہندوستان میں اسلام کے فروغ کے ساتھ پہنچی ہیں۔بہرحال یہ مسئلہ خاصا بحث طلب ہے کہ لوک کہانیوں کی ابتدا کہاں سے ہوئی اور پھر وہ کس طرح سفر کرتی ہوئی کہاں پہنچیں۔

Folkloreکی اصطلاح ایک انگریز ماہر ِ نوادرات ولیم جان تھامس نے ۱۸۴۶ء میں وضع کی ۔اس اصطلاحی دائرے میں لوک ثقافتیں اور اُن کے مختلف اعتقادات،لوک گیت ،لوک کہانیاں ،مقبول عام پہیلیاں، عجوبہ کہانیاں ،پری کہانیاں جیسی چیزیں شامل سمجھی جاتی ہیں۔انیسویں صدی کے اوائل میں Grimm Brothers اور دیگر محققین نے فوک لور کے علمی مطالعے کو باضابطہ صورت عطا کی۔لوک کہانیاں،لوک گیت،لوک ناٹک اور Folklore کے دیگر مظاہر نسل در نسل زبانی منتقل ہوتے آئے ہیں۔قصہ گو اور بھاٹ یا نقال انھیں سنایا کرتے تھے۔ تحریری صورت میں انھیں محفوظ کرنے اور ان پر علمی تحقیق کے کام کا آغاز انیسویں صدی کے آغاز سے ہی باقاعدہ طور پر شروع ہوا۔

لوک روایت کا عمل دخل انسانی زندگی کے مختلف شعبہ جات میں بے حد گہرا ہے۔ادب،تاریخ،سائنس اور تہذیب میں اس کے اثرات ہمہ گیر رہے ہیں۔لوک گیتوں اور لوک کہانیوں کے مصنف یا تخلیق کارکچھ استثنائی امثال کے علاوہ عموماً نا معلوم ہوتے ہیناوریہ چیزیں نسل در نسل اپنا سفر جاری رکھتی ہیں۔انتھروپالوجییعنی علم البشریات کے ماہرین کے نزدیکیہ مخصوص انسانی سماج کے کائناتی ادراک سے مربوط ہیں اور اکثر لوک کہانیوں کا سرا اساطیر سے جا ملتا ہے ۔بعض ماہرین ان چیزوں کو قدیم دور کے انسان کے اعتقادات اور توہمات ہی سمجھتے ہیں مگر بہت سے نفسیات دانوں کے نزدیک ان میں گہری نفسیاتی حقیقتیں پوشیدہ ہیں۔Rene Guenonجیسے مابعد الطبیعیات کے عالموں کے خیال میں ان کہانیوں کا قدیم روحانی روایت سے تعلق ہے۔ان کے ذریعے روحانی حقائق بیان بھی ہوتے ہیں اور محفوظ بھی رہتے ہیں نیزیہ نسل در نسل منتقل بھی ہوتے رہتے ہیں۔عام طور پر سامعین محض لفظی سطح تک ہی محدود رہتے ہیں اور ان قصو ں کو سن کر محظوظ ہوتے ہیں مگر روایت سے آگاہی رکھنے والے قصے کہانیوں کی گہری روحانی معنوی سطح تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔

لوک کہانیوں کی تشریح میں دو متوازی طریقے رائج رہے ہیں ۔اکثر ماہرین ان کہانیوں کو کسی خاص ثقافت کے مظہر کے طور پر دیکھتے ہیں اور انھیں کسی مخصوص خطے سے وابستہ سمجھتے ہیں۔دوسری طرف ایسے ماہرین بھی ہیں جن کا ماننا ہے کہ ایک جیسے عناصر مختلف ثقافتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔چنانچہ کہانیوں کی بنیادی ساخت عالمی سطح پر یکساں ہے۔یہ سوال الگ ہے کہ یہ مماثلتیں ایک ثقافت کے دوسری ثقافت سے متاثر ہونے کی بنا

سے ہینیا انسانی ذہن کے کچھ بنیادی سانچوں نے ہر جگہ اپنے طور پر اس انداز کا اظہار کیا ہے۔شاید حقیقت تک ان دونوں طریقوں کو ملا کر دیکھنے کے بعد ہی پہنچا جا سکتا ہے۔اگر صرف علاقائی سطح تک محدود رہا جائے تو آفاقی جہت کے کھو دینے کے باعث مماثلتوں کی سطح کی تفہیم ممکن نہ ہو پائے گی او ر اگرمقامییا علاقائی سطح کو نظر انداز کر دیا جائے تو امتیازات کی سطح گم ہو جائے گی۔عملی طور پر مختلف ماہرین اپنی اپنی ترجیح کے مطابق کسی ایک پہلو کی جانب جھکتے رہے ہیں۔

بہت سے ادبی مورخین لوک کہانیوں کو وحشیوں کا ادب،مقامییا گنواروں کا ادب یا دہقانی ادب کہ کر تحقیر آمیز رویہ اختیار کرتے رہے مگر اب ادب اور لوک ادب کے گہرے تعلق کو عام طور پر قبول کیا جاتا ہے۔جیسے ہومر کی ''اوڈیسی'' کا قصہ اعلیٰ ادبی تحریر میں ڈھلنے سے قبل ایک رزمیہ لوک داستان یا کہانی ہی تو تھا یا شاہنامہ ء فردوسی کا ابتدائی مواد بھی ایک لوک رزمیہ ہی تھاجس پر ایسی عظیم تخلیق کی بنیادیں استوار ہوئیں۔

لوک کہانیوں کے ضمن میں ایک دلچپ امر یہ بھی ہے کہ ہر ثقافت اپنے لوک ادب کو دوسروں سے برتر بھی گردانتی ہے اور کسی حد تک یہ دعویٰ بھی کرتی ہے کہ ان کہانیوں کا آغاز اسی سے ہو ا ہے:

> ''دراصل '' فوک لور''نسلی اور قومیتی جذبوں کو اُبھارتی ہے اور اس لیے اس افتخارکا جواز بن جاتی ہے۔تاہم تحقیق عموماًاس طرح کے اعلانات کو درست ثابت نہیں کر پاتی۔ایک زمانے میں کچھ مغربی علماء اس نظریے کے علمبرداربھی تھے کہ لوک کہانیاندراصل قدیم ہند سے شروع ہوئیں مگر یہ نظریہ بھی زیادہ دیر تک مقبول نہ رہ سکا۔''(۲)

بہرحال لوک کہانیوں کو محض غیر عقلی اور خلاف حقیقت سمجھ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔کیونکہ لوک کہانیوں کا تعلق زندگی اور سماج سے ہوتا ہے۔یہ اور بات ہے کہ کہیں ان میں کچھ ردو بدل ہو جاتا ہے ،کہیں تشبیہات و استعارات کا استعمال ہوتا ہے اور کہیں کنایے میں بات کہہ دی جاتی ہے اور ہر فعل عمل کے ذریعے سامنے آ جاتا ہے۔لوک کہانیاں کہیں تو زندگی کے ساتھ ساتھ چلتی ہیں اور کہیں فینٹسی کا روپ دھار لیتی ہیں۔ان میں پیش آمدہ واقعات،کرداروں کے مسائل اور ان کے نتائج،سبھی انسانی زندگی سے متعلق ہیں۔جیسے ان کہانیوں میں طبقاتی تفریق ملتی ہے،حکمران باہم بر سرِ پیکار نظر آتے ہیں،سوتیلی مائیں بچوں سے ناروا سلوک کرتی ہیں،افراد قسمت آزمانے کی خاطر ایک مقام سے دوسرے مقام کا سفر اختیار کرتے ہیں،بادشاہ انصاف کرتے ہیں مظلوم داد رسی کے طلب گار ہوتے ہیں،دولت کے لالچ میں فریب اور مکاری سے کام لیا جاتا ہے،بے گناہوں کا خون ہوتا ہے،سچ کی تلاش میں نازک اندام شہزادے جنگلوں کی خاک چھانتے پھرتے ہیں،شہزادیوں کی محبت میں مصائب جھیلتے ہیں،شہزادیاں اپنے پیار کی خاطر سونے کے محلات میں تڑپتی ہیں،درویش اور ولی لوگوں کی نیکی کی تلقین کرتے ہیں،اُن کی مرادیں

پوری کرتے ہیں،مکار افراد دوسروں کو ٹھگنے میں مصروف رہتے ہیں،خواتین اولاد کے لیے ترستی ہیں،دوست اپنے احباب کے لیے تن من دھن قربان کرتے دکھائی دیتے ہیں۔پرندے،درندے عزت، لالچ، ہوس، حرص،آرزوئیں،ناکامیاں،کامیابیاں،محرومیاں،مجبوریاں،دکھ ،سکھ غرض کہ وہ کون سیشے ہے جو ان کہانیوں میں نہیں ملتی۔یہ سب کچھ ہزاروں برسوں سے انسانی زندگی کا حصہ ہے اور آج بھی انسان کی زندگی ان رنگوں سے عبارت ہے۔لوک کہانیوں میں یہ تمام مسائل ،یہ واقعات اور یہ حالات اس شعوری رشتے کے ساتھ پیش آتے ہیں ،جس کا تقاضا آج کا ترقی یافتہ ذہن کرتا ہے۔اگرچہ یہ کہانیاں اُس دور کے انسان کی تخلیق ہیں جو فکر و ادراک کی ابتدائی منازل میں تھامگر اس کے باوجود آج ہوائی جہاز جو گھنٹوں میں ایک ملک سے دوسرے ملک جا پہنچتے ہیں،اس کا تصور بھی تو علامتی طور پر ہزاروں سال قبل کی ان لوک کہانیوں میں موجود ہے۔اُڑنے والے قالین،اُڑن کھٹولے،پل بھر میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دینے والی پریاں اور سات سمندر پار دور لے جانے والے دیو ،یہ سبھی اُسی کی علامتیں ہی تو تھیں۔ان لوک کہانیوں میں سے بیشتر کہانیوں کے موضوعات ایسے ہوتے ہیں جن کے عنوانات سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان میں کس قسم کے کردار آئیں گے اور ان کرداروں کی سماجی حیثیت کیا ہوگی۔اس طرح کی کہانیوں کے اولین جملے سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ ان میں معاشرے کی کس برائی یا اچھائی بیان کی گئی ہے اور زندگی کے کس پہلو سے اس کا ربط ہے۔نیز اس میں کس قسم کا سماجی یا اخلاقی انداز پیش کیا گیا ہے اور ایک عام آدمی کے طرزِ بودو باش میں اس کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے۔

یہ بات ثابت ہو جانے کے بعد کہ لوک کہانیاں محض غیر عقلی اور فرضی داستانیں نہیں بلکہ ان کا انسانی حیات سے بہت گہرا رشتہ ہے اور ان میں کسی نہ کسی سماجی و اخلاقی اچھائی اور نیکی کا درس ملتا ہے ،یہ بات بلا شک و شُبہ کہی جا سکتی ہے کہ آج بیشتر ادبی اصناف جیسے داستان،ناول ،ناولٹ،افسانہ،مختصر افسانہ،مثنوی کسی نہ کسی شکل میں لوک کہانیوں ہی کی مرہونِ منت ہیں۔دیکھا جائے تو ساری دنیا کا ابتدائی ادب لوک کہانیوں کی بنیاد پر ہی تخلیق کیا گیا ہے اور اس کے لیے خام مواد لوک کہانیوں نے ہی مہیا کیا جس پر آگے چل کر عظیم ادب کی عمارت استوار ہوئی۔ اس ضمن میں تمام نقاد اور محققین متفق نظر آتے ہیں کہ رامائن ،مہابھارت،ہومر سے منسوب ایلیڈ اور اوڈیسی اپنے وقت کے رائج لوک گیتوں اور رزمیہ قصوں سے ہی ترتیب دیے گئے ہیں۔ہیرو ڈوئس کی تاریخ اور فردوسی کے شاہنامے کے ماخذبھی اُس عہد کی مروج لوک کہانیاں ہی تھیں۔ایسپ کی کہانیاں اور مہاتما بدھ سے منسوب گاتھا کی بنیاد بھی لوک کہانیاں ہی تھیں۔اس کے علاوہ پنج تنتر،کلیلہ و دمنہ جین شاستر،عیار دانش،بوستان خیال ،کتھا سرت ساگر،ھتو پدیش،برھت کتھا،بتیال

بتیسی،سنگھا سن بتیسی اور اس قسم کی سینکڑوں داستانوی مجموعے بھی لوک کہانیوں کو سامنے رکھ کر مرتب کے گئے ہیں۔اس سے یہ بات قطعیت کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ عالمی سطح پر ادب کی بنیاد لوک ادب ہے۔داستانوں کے تمام مجموعوں اور ان جیسی بے شمار دیگر کتب میں لوک کہانیوں کا وجود واضح طور پر آج بھی موجود ہے۔نہ صرف ان کی بنیاد لوک کہانیوں پر استوار ہوئی بلکہ ان میں سے بیشتر داستانیں ایسی ہیں کہ جو ایک دوسری سے بے حد مماثلت رکھتی ہیں۔وہی کہانیاں سنسکرت ،یونانی،عربی اور فارسی اور مختلف دوسری زبانوں میں ملتی ہیں۔یوں مختلف زبانوں کے ابتدائی داستانوی ادب میں بڑی حد تک ایک جیسی کہانیاں ملتی ہیں۔یہ لوک کہانیوں کی یکسانیت کی بنا پر ایک دوسری سے مماثلت رکھتی ہیں۔

دنیا کے کسی بھی خطے یا ملک کی لوک کہانیاں دیکھی جائیں تو اُن میں سے کوئی نہ کوئی کہانی ہماری مقامی لوک کہانیوں سے ہو بہو ملتی جُلتی ضرور دکھائی دیتی ہے۔لوک ادب چونکہ تحریری ادب نہیں ہوتا بلکہ سینہ بہ سینہ چلتا رہتا ہے ۔یوں یہ تہذیبی،ادبی اور روایتی سرمایہ ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتا رہتا ہے۔ہزاروں برسوں سے یہ عمل جاری ہے۔اس کا براہ راست نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وقت کے گزران کے ساتھ ساتھ اس میں چھوٹی موٹی تبدیلیاں بھی پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ایک قوم کی روایات دوسری قوم کی کہانیوں میں جگہ پا لیتی ہیں اور پھر لوک کہانیاں جہاں جہاں سفر کرتی ہیں ،وہاں کی کچھ تہذیبی اور روایتی علامات بھی اپنے اندر سمولیتی ہیں۔چونکہ لوک ادب تمام انسانوں کا مشترکہ ورثہ ہے لہٰذا اس کی تخلیق میں لوگوں نے اجتماعی طور پر حصہ لیا ہے،اس لیے اس میں مختلف اقوام کی روایات کا ورود بعید از قیاس نہیں ہے۔پھر مختلف اقوام کے مذہبی اختلافات اور اُن کی جُدا رسوم سے بھی ان کہانیوں میں جزوی طور پر تبدیلی آجاتی ہے ۔نام بدل جاتے ہیں ،مقامات کے نام تبدیل ہو جاتے ہیناور مقامی روایات کی بنا پر ان میں ایسی رسوم شامل ہو جاتی ہیں جو محض اسی خطے کے لیے مخصوص ہوتی ہیں۔جیسے ہندو کہانی سنائے تو راجہ اور مسلمان بادشاہ کہے گا۔اسی طرح مسلمان کہانی سنانے والا کسی ولی یا درویش کا قصہ سنائے گا تو ہندو اس کی جگہ جوگی یا سادھو کر دے گا۔اس کے علاوہ یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض کہانیوں کے راوی اپنی مرضی اور پسند کے مطابق کہانی کے واقعات میں ردوبدل کر دیتے ہیں ۔کہیں کہانی نے طوالت اختیار کر لی تو راوی نے کسی دوسری کہانی کا کوئی دلچسپ واقعہ اس میں شامل کر دیایا خود گھڑ کر اس میں اضافہ کر لیا۔کبھی کبھار یوں بھی ہوتا ہے کہ کو ئی کہانی بیان کرنے والا مختلف کہانیوں کے کئی حصے ملا کر ان سے ایک نئی کہانی ترتیب دے دیتا ہے۔پھر یہ بھی کہ لوک کہانیاں یا لوک گیت تحریر میں نہیں آتے لہٰذا کہانی کے راوی بزرگ ہوں یا قصہ گو ،دونوں ہی اپنی یاداشت پر بھروسا کرتے ہیں۔جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان کی

اپنی شخصیات کا اثر بھی ان لوک کہانیوں یا لوک گیتوں میں داخل ہو جاتا ہے۔اسی لیے ایک شخص سے سنی ہوئی کہانی دوسرے سے کچھ نہ کچھ مختلف ضرور ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوک کہانیوں کی تہذیب و ترتیب خاصا مشکل مرحلہ ہے۔ یہ معمولی تبدیلی اور اختلاف ہی مرتب یا مترجم کے لیے مشکلات کا باعث بنتے ہیں۔شفیع عقیل نے پنجاب کیلوک کہانیوں کو جمع کرنے کے سلسلے میں پیش آنے والی دشواریوں کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

> ''میں نے پنجاب کے مختلف علاقوں کے رہنے والے بڑے بوڑھوں سے بھی کہانیانسنیں اورایک علاقے سے تعلق رکھنے والوں سے بھی سنتا رہا۔دقت یہ تھی کہ ہر مرکزی خیال اور کرداروں کے باوجود ہرشخص کی سنائی ہوئی کہانی کافی حد تک ایک دوسرے سے مختلف تھی۔ایک ہی کہانی کی کئی کئی روپ تھے اور ایک ہی روپ کئی کئی ڈھنگ سے سنایا جاتا تھا۔اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ کسی ایک کہانی میں کئی دوسری کہانیوں کے انگ شامل ہو گئے تھے۔ابتدا کسی کہانی سے ہوتی اور انتہا میں کوئی اور کہانی نکل آتی۔پھر یہ بھی تھا کہ مختلف علاقوں کے لوگوں سے سننے کی وجہ سے ان علاقوں کی بعض مخصوص مقامی روایات ان میں شامل ہو گئی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک بڑی مشکل یہ تھی کہ اکثر لوک کہانیوں میں الف لیلہ اور اسی قسم کی دوسری داستانوی کتابوں کے حصے کے حصے در آئے تھے۔ان سب دشواریوں سے بچنے اور انھیں حل کرنے کے لیے میں کہانیاں سنتا بھی رہا اور پڑھتا بھی رہا۔اس کے بعد میں نے ہر کہانی کے انگ ملائے،پلاٹ کا تانا بانا درست کیا اور واقعات کی کڑیاں ملائیں۔اس کے بعد میری اپنی دانست میں کہانی کا جو صحیح اور جچتا ہوا روپ سامنے آیا، میں نے اسے قلمبند کیا۔اور اس طرح اس میں میرے کئی برس صرف ہو گئے۔''(۳)

پنجاب کی لوک کہانیوں کی تلاش اور جمع کرنے کے ساتھ ساتھ انھوں نے دوسرے ممالک اور خطوں کی لوک کہانیوں کا بھی مطالعہ کیا۔اور نتیجہ اخذ کیا کہ ساری دنیا کے مختلف ملکوں کی لوک کہانیوں میں بہت سی باتیں مشترک ہیں ۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان کہانیوں کے کرداروں کی راہ میں کوئی رکاوٹ ،کوئی دشواری نہیں آتی اور وہ ملکوں ملکوں گھومتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں۔یہ بات اپنی جگہ بالکل درست ہے کہ ان لوک کہانیوں میں ہر ملک اور علاقے کی روایات داخل ہو جاتی ہیں لیکن جہاں تک مرکزی خیال کا معاملہ ہے وہ ساری دنیا میں تقریباً ایک جیسا ہی ہوتا ہے۔جہاں تک ان کہانیوں کے اسلوب کا تعلق ہے تو دنیا کے مختلف ممالک کی لوک کہانیاں عموماً اختصار سے بیان کی جاتی ہیں۔بعض کہانیاں طویل بھی ہوتی ہیں مگر زیادہ تعداد ایسی کہانیوں کی ہوتی ہے جو مختصر بلکہ نہایت مختصر انداز میں رائج ہیں۔ان میں کرداروں کے مکالمے نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں اور واقعات و حالات کی عکاسی نہیں ہوتی۔اس سے بسا اوقات ان کہانیوں کی خوبصورتی

،دلچسپی اور دلکشی میں بڑی حد تک کمی آجاتی ہے۔شفیع عقیل اپنی کتاب جرمن لوک کہانیاں میں لوک کہانیوں کی تہذیب و تحریر کے ضمن میں رقمطراز ہیں:

> ''ان کہانیوں کے کردار ،مقامات،واقعات،حالات،پلاٹ،غرض ہر چیز اصل کے مطابق ہے،میں نے کہانی کے پلاٹ اور اس کے تانے بانے میں کوئی تبدیلی یا فرق نہیں آنے دیاالبتہ مکالموں کے ضمن میں اجتہاد کیا ہے۔ کہانی کے ماحول اور اس ماحول کے رسم و رواج،موقع و محل کی مناسبت ،کرداروں کی حرکات و سکنات اور احساسات و جذبات اور پھر نفسیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے بیشتر جگہوں پر مکالمونکا اضافہ کیا ہے۔اس کے ساتھ ہی ساتھ محاکات کی عکاسی کے لیے الفاظ کا سہارا بھی لیا ہے تا کہ کہانی میں حسن بیان اورروانی پیدا ہو سکے۔یہی وجہ ہے کہ یہ کہانیانمحض ترجمہ نہیں ہیں بلکہ ان کی تہذیب بھی کی گئی ہے۔''(۴)

شفیع عقیل نے لوک کہانیوں کا ترجمہ کرتے ہوئے ان کی تہذیب بھی کی ہے ۔اس ضمن میں انھوں نے آسان اور سہل زبان استعمال کی ہے۔اور اندازِ بیان بھی سادہ رکھا ہے۔کیونکہ دقیق اور بھاری بھر الفاظ لوک کہانی کی سادگی اور تاثر کو مجروح کر دیتے ہیں۔ان سیدھی سادی اخلاقی کہانیوں کی صداقت ،سچائی،دلکشی اور سادگی پر بھاری بھر کم الفاظ کا بوجھ کم ہی پڑے تو بہتر ہے۔شفیع عقیل نے پنجابی لوک کہانیوں کا ترجمہ و تہذیب کرتے ہوئے بیشتر کہانیوں کے اصل عنوان تبدیل کردیےیا ان کا اُردو ترجمہ کر دیا ،تاہم ان کے ساتھ ان کے ہنجابی عنوانات تحریر کیے ہیں جن سے یہ لوک کہانیاں معروف تھیں اور زبانی روایت کی جاتی تھیں۔اسی طرح انھوں نے چینی، جاپانی اور ایرانی لوک کہانیوں کے بھی ترجمہ و تہذیب کی۔ہمارے یہاں چونکہ شفیع عقیل نے سب سے پہلے لوک کہانیوں کو قابل توجہ جان کر ان پر تحقیق و ترجمہ اور تہذیب کی خدمت انجام دی بلکہ اپنی کتب کے دیباچوں میں لوک کہانیوں اور دنیا کی مختلف زبانوں کے ادب میں لوک کہانیوں کی یکسانیت اور مشترک اقدار کی موجودگی کو ثابت کیا لہٰذااس ضمن میں روایت کے باب میں اُنہی کی کتب اور خدمات کا ذکر کیا گیا ہے۔

شفیع عقیل اپنی کتاب چینی لوک کہانیاں کے دیباچے میں لوک کہانیوں کے ترا جم اور تہذیب کی توجیہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''یہ ایسا ثقافتی اور تہذیبی ورثہ ہے جو ہر دور میں زندہ رہتا ہے۔لوک کہانیاں ہوں یا لوک گیت،وقت ان میں تبدیلیاں تو لا سکتا ہے مگر ختم نہیں کر سکتا.....ایک چیز ان تمام کہانیوں میں مشترک ملے گی-اور وہ ہے اپنے مقصد کے حصول کے لیے مسلسل جدوجہد اور ظلم و جبر کے خلاف نفرت۔صرف نفرت ہی نہیں بلکہ اس کا ثابت قدمی سے مقابلہ کرنے کی ترغیب اور اسے شکست دینے کا حوصلہ۔یہ دو باتیں ایسی

ہیں جو کسی نہ کسی روپ میں،کسی نہ کسی کنایے اشارے میں،اور کسی نہ کسی ڈھنگ سے ہر کہانی میں موجود ہیں۔میری ذاتی رائے میں ان کہانیوں کایہ مقصدی پہلوان کی افادیت اور اہمیت میں اور بھی اضافہ کر دیتا ہے۔''(۵)

لوک کہانیوں کی اہمیت ،ان کی فکری و ہئیتی درجہ بندی ،ان کی مخصوص علامات اور ان کی تاریخی، تہذیبی،نفسیاتی، اخلاقی اور ادبی تفہیم کے حوالے سے عالمی سطح پر خاصا تحقیقی و علمی کام ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے۔دنیا کی تمام بڑی اور وسیع زبانوں کے ماہرین نے لوک کہانیوں کے حوالے سے کافی تحقیق و تدقیق کی اور گراں قدر کتب اور مضامین قلمبند کیے۔

جنوبی ایشیا میں تقریباً تمام زبانوں کی لوک کہانیوں پر ایرانی لوک کہانیوں کے نہایت گہرے اثرات ہیں۔خصوصاً برصغیر پاک و ہند پر اور اُردو شعر و ادب پر ایرانی تہذیب و تمدن اور زبان و اسلوبیاتی انداز بیان کے نہایت گہرے ،انمٹ اور دیر پا ا ثرات مرتب ہوئے۔ہماری برادر اسلامی ملک ایران سے ہمیشہ سے نہایت گہری روحانی اور قلبی وابستگی اورجغرافیائی و ثقافتی قربت رہی ہے۔مسلمانانِ برصغیر پاک و ہند کی زبان فارسی تھی جب تک کہ برطانوی استعماریت نے ہندوؤں کی سازشوں کے زیر اثر مسلمانوں کی سرکاری زبان کو ختم نہیں کر دیا۔اُردو شاعری پر فارسی زبان کے طفیل بڑی وسعت اور زرخیزی در آئی۔ غالب نے اُردو ،فارسی اور ہندوستانی زبانوں کے اشتراک سے ایک میٹا لینگوئج تخلیق کرنے کی نہایت عمدہ کاوش کی ۔ اقبال نے ایرانی مابعد الطبیعات پر کام کیا تھا ،اُن کی قومی و ملی شاعری پر فارسی زبان و ادب اور شعرائے کرام کا بڑا گہرا اثر دیکھا جا سکتا ہے ۔ انھوں نے اپنی نہایت قابل قدر شعری تخلیقات فارسی زبان کے قالب میں ڈھال کر پیش کی ہیں۔بیسویں صدی کے جدید نظم گو شاعر ن۔م۔راشد کی شاعری کو ایرانی تہذیب و کلچر اور بیش قیمت علامات و استعارات اور اساطیر نے معنی خیزی عطا کی ہے۔اُردو غزل ہمارے یہاں فارسی ادب سے ہی فروغ پاتی ہے ۔اسی طرح پنجاب کی لوک کہانیونیا داستانوں کا مطالعہ کیا جائے تو بہت سی کہانیاں ایرانی ادب کے گمشدہ حصے محسوس ہوتی ہیں۔ہمارے یہاں لوک کہانیوں کے تہذیبی ورثے کو محفوظ کرنے کی سنجیدہ اجتماعی کوششیں نہیں ہوئیں مگر انفرادی سطح پر کچھ کام ضرور ہوئے ،جن میں سب سے قابل قدر نام شفیع عقیل کا ہے جنھوں نے نہ صرف اپنی مقامی تہذیبی میراث کو محفوظ کرنے بلکہ جرمن،چینی ،جاپانی و دیگر زبانوں کے ساتھ ساتھ ایرانی لوک کہانیوں کا بھی اُردو ترجمہ اور تہذیب و ترتیب کر کے اس ضمن میں اولیت اور کامیابی کا سہرا اپنے سر سجایا ہے۔برادر اسلامی ملک ایران کی تہذیب بہت قدیم اور زرخیز ہے ۔دنیا کی دیگر قدیم اور زرخیز تہذیب کی حامل قوموں کی مانند ایرانی اساطیر اور لوک کہانیاں بھی ایرانی معاشرت،تہذیب ،طرز بود و باش ،تاریخ کے مختلف ادوار کی عکاسی کرتی ہیں۔

دیگر عالمی ادب کی مانند ایرانی تہذیب اور کلچر بے حد قدیم اور زرخیزہے ۔ایرانی اساطیربھی روایتی مقامی داستانوں اور کہانیوں پر مبنی ہینجو کہ غیر معمولی اور مافوق الفطرت سے متعلقہ ہیں اورقدیم اصل ایران اور اُس زمانہ کی معاشرت جن میں صاف جھلکتی ہے۔ یہ لوک کہانیاں معاشرتی رویوں اورخیر و شر،اچھائی و برائی کی محاذ آرائی،ہیروز کے کارنامواور حیرت انگیز مخلوقات کے تذکروں سے بھرپور ہیں۔کہانی کہنا اور کہانی سنانا ایرانی تہذیب میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔اساطیری کہانیوں نے ایرانی تہذیب میں اہم کردار ادا کیا ہے اور ہماری ان کی تفہیم میں دلچسپی بڑھ جاتی ہے جب ہم ان کہانیوں کو ایرانی تاریخ کے تناظر میں دیکھتے ہیں ۔اس مقصد کے حصول کی خاطر ہمیں جدید سیاسی حدبندیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے عظیم ایران کی تاریخی فتوحات پر نگاہ دوڑانا ہوگی جو قازقستان ،اناطولیہ اور وسیع تر وسطی ایشیا پر مشتمل تھا۔اس خطے کی اعلیٰ حدود بلند پہاڑی سلسلوں پر مشتمل تھیں،نے ان بیشتر اساطیری کہانیوں میں بامعنی کردار ادا کیا ہے۔قدیم ایران میں مغنی شاعر اپنے سامعین کے لیے شاہی درباروں اور عوامی تھئیٹروں میں ان کہانیوں کو پیش کرتے تھے۔لہٰذا کسی بھی دوسرے ملک اور اُس کی مخصوص تہذیب کی مانند ایرانی تہذیب اور تاریخ بھی ان کہانیوں میں دکھائی دیتی ہے۔

ایران میں لوک کہانیوں کے ورثے کو محفوظ کرنے اور ان سے متعلق تحقیقی اور تجزیاتی مطالعات کی تاریخ سات آٹھ دہائیوں پر محیط ہے اور اس موضوع پر اب تک ساٹھ [٦] سے زائد اہم کتب منظر عام پر آ چکی ہیں۔اُردو زبان میں نئے ایرانی افسانوں کے متعدد تراجم ہو چکے ہیں مگر ایرانی لوک کہانیوں کے ترجمے کی جانب زیادہ توجہ نہیں کی گئی۔اس ضمن میں اب تک ایک تو شفیع عقیل کی کتاب ایرانی لوک کہانیاں نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد سے پہلی بار ۱۹۸٦ء میں منظر عام پر آئی ،جس میں بیس ایرانی لوک کہانیوں کا اُردو ترجمہ و تہذیب ملتی ہے۔[۷]

شفیع عقیل نے ایرانی لوک کہانیوں کا ترجمہ کرنے کی توجیہ اپنی کتاب کے ابتدائیے مینیہ بیان کی ہے کہ دنیا کے مختلف ممالک کی لوک کہانیوں کے مطالعے کر دوران اُنھیں ان کے تقابلی مطالعے اور تجزیے کے حوالے سے کام کا خیال آیا مگر پھر اُنھوں نے اس خدشے کے پیشِ نظر کہ جو تمثیلیں،علامتیں اور حوالے وہ دیں گے اور جن بنیادی کرداروں کو وہ زیرِ بحث لائیں گے ،اُن کی تفہیم کا مقصد پورا نہ ہو سکے گا ،اُنھوں نے اولاً اُردو میں مختلف ممالک کی لوک کہانیاں منتقل کرنے کا ارادہ کیا ۔اس ضمن میں اُنھیں شدت سے یہ احساس بھی تھا کہ دنیا کے بیشتر ممالک میں لوک ثقافت کے ادارے قائم ہیں اور لوک ورثے کے تحفظ کے لیے عجائب گھر بنائے جاتے ہیں ،'' فوک لور'' کے موضوع پر باقاعدہ رسالے شائع ہوتے ہیں اوربعض یونیورسٹیوں میں اس کے لیے الگ شعبے بھی قائم ہیں۔جبکہ ہمارے یہاں لوک

ورثہ کے ادارے کا قیامابھی حال ہی میں ہوا ہے اور دنیا کے بیشتر ممالک مینا نیسویں صدی سے لوک ثقافت و ادب پر باقاعدہ کام ہو رہا ہے۔ہمارے یہاں کی مختلف علاقائی زبانوں کے لوک ادب پر مستشرقین نے جو قابلِ قدر کام کیا وہ بھی انیسیویں صدی ہی کی ذیل میں آتا ہے۔اس کے علاوہ ایشیائی ممالک میں خصوصاً جاپان میں لوک ثقافت پر ہونے والا کام مثالی حیثیت کا حامل ہے،بھارت میں بھی اس موضوع پر تحقیق و جستجو کے کام کا آغاز ابتدا سے ہی کیا جانے لگا تھا البتہ ہمارے یہاں اس موضوع کے باب میں بہت تاخیر سے توجہ دی گئی ہے اور ابھی بھی اُس نہج پر کام نہیں ہو رہا جس طرح ہونا چاہیے لہٰذا شفیع عقیل نے محض دنیا کے مختلف ممالک کی لوک کہانیوں کا انتخاب کر کے اُنھیں اُردو میں ترجمہ ہی نہیں کیا بلکہ دنیا بھر میں اور خاص طور پر ایران میں لوک ادب و ثقافت کی ترقی و ترویج کے اسباب و ذرائع کا بھی تفصیلی جائزہ لیا اور ایرانی لوک کہانیاں کے ابتدائیے میں ان کا ذکر بھی کیا ہے۔

فارسی میں لوک ورثہ یا لوک ثقافت کے لیے کئی الفاظ جیسے فرہنگ مردم ،فرہنگ عامہ،معلومات توده مردم،دانش عوام ،فرہنگ توده،سواد عوام اور معرفت عوام مروج ہیں لیکن عموماًفرہنگ مردم اور فرہنگ عامہ کی اصطلاحات رائج ہیں۔ایران میں لوک ادب اور لوک ورثے کی حفاظت کے حوالے سے بہت پہلے کام کا آغاز ہو گیا تھا اور بہت سے ایرانی دانشوروں نے اپنے ملک کے اس تہذیبی ورثے کو جمع کر کے اس کی تہذیب اور ترتیب کی ابتدا کر دی تھی ۔اس کے ساتھ آج کے دور میں بعض محققین اس سلسلے میں تلاش و تحقیق میں منہمک نظر آتے ہیں۔اس ضمن میں شفیع عقیل نے معروف ایرانی دانشوروں علی اکبر دھخدا،محمد علی جمالزاده،حسن مقدم،صادق ہدایت،حسین کوہیکرمانی،سید ابو القاسم انجوی شیرازی،مرتضٰی ہنری مرسده اور خصوصاً دورِ حاضر کے ایرانی لوک ادب پر قابلِ قدر کام کرنے والے سید ابو القاسم انجوی شیرازی کا ذکر بھی کیا ہے۔

شفیع عقیل کے نزدیک ایران میں لوک ادب کی جمع وترتیب میں ریڈیو نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے ۔کئی برس قبل ریڈیو ایران سے لوک ادب کے لیے ایک پروگرام کا آغاز کیا گیا تھا،جس میں ایران کے لوک ادب کے ماہرین اور دانشور حضرات ایران کے مختلف علاقوں میں جا کر وہاں کے بزرگوں اور اُن لوگوں کو ریکارڈ کیا کرتے تھے،جنھیں لوک کہانیاں،لوک گیت،لوک کہاوتیں اورلوک محاورے وغیرہ ازبر ہوتے تھے۔ابتدا میں یہ پروگرام مہینے میں ایک مرتبہ نشر کیا جاتا تھا پھر دو برس تک پندرہ روزتک نشر ہوتا رہا بعد ازاں اسے ہفتہ وار کر دیا گیااوریہ ہفتہ وار پروگرام سات برس تک مسلسل نشر ہوتا رہا ۔یونلوک ادب کا ایک ذخیرہ جمع ہو گیا۔اسی طرح شفیع عقیل نے جرمنی کے شہر میونخ میں لوک ادب اور لوک ثقافت کی جمع و تحفظ کی خاطر ریڈیو کے استعمال کا بھی ذکر کیا ہے اور جاپان میں اخبارات کے اہم کردار کو بھی سراہا

ہے۔

دوسرے ممالک کی لوک کہانیوں کی مانند ایران کی لوک کہانیاں بھی صدیوں سے نسل در نسل چلی آرہی ہیں۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے روپ بدلتے رہے اور ان میں نئے رنگ شامل ہوتے رہے،لیکن بنیادی خیال وہی رہتا ہے جو ابتدا سے چلا آتا ہے۔یہی بنیادی خیال ہی ان کہانیوں کی پہچان ہوتا ہے۔اگر فارسی کے قدیم شعرا کا مطالعہ کیا جائے تو ان لوک کہانیوں کے پرتو ان کے کلام میں بھی ملتے ہیں۔خاص طور پر فردوسی، سعدی،رومی،خاقانی اور انور ی کے یہاں کئی لوک کہانیاں یا اُن کے کچھ حصے اشارے کے طور پر مل جاتے ہیں۔ان سب باتوں کا مقصد یہی باور کرانا ہے کہ لوک کہانیوں کی اہمیت مسلم ہے اور عوام و خواص سبھی کے یہاں ان کے نقوش ملتے ہیں۔

شفیع عقیل نے ابتدا میں دیباچے میں فارسی زبان سے ایرانی لوک کہانیوں کے تراجم کے حوالے سے مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ان لوک کہانیوں کو اردو میں پیش کرنے کے لئے میں نے بہت سی فارسی کتابوں کا مطالعہ کیا۔مشکل یہ تھی کہ اکثرکتابیں محض بچوں کی دلچسپی کے لئے تحریر کی گئی ہیں اور ان میں لکھنے والے کا انداز غیر تحقیقی اور غیر سائنسی ہے.....اکثر کتابیں جو ریکارڈ کر کے تحریری شکل میں لائی گئی ہیں،ان میں مختلف علاقائی لہجے ہیں اور ان کا املا مقامی زبانوں میں کیا گیا ہے۔اس سے مقامی محاورے ،رسم و رواج،ضرب الامثال، روزمرہ ،استعارے اور اعتقادات کو سمجھنے میں بڑی دقت ہوتی ہے۔اکثر کتابیں تو ایسی ہیں کہ جدید دور کے اکثر ایرانی بھی ان کی زبان سمجھنے سے قاصر ہیں کیونکہ ان میں دور دراز دیہاتی علاقوں کا خالص مقامی لہجہ قلمبند کیا گیا ہے.....اس طرح ان میں ربط و تسلسل نہیں ملتابعض کہانیاں ملا نصر الدین (یا نصیر الدین) سے منسوب ہو گئی ہیں اور بعض میں عقائد در آئے ہیں۔سب سے بڑی بات یہ کہ اکثر کہانیاں اس قدر مختصر ہیں کہ ان میں مکالمہ نہ ہونے کے برابر ہے.....یہی وجوہ ہیں کہ کہانی کو کہانی کی طرح بیان کرنے میں مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔اور یہی سبب ہے کہ یہ کہانیاں محض ترجمہ نہیں ہیں بلکہ از سر نو لکھی گئی ہیں۔''(۸)

دنیا کے مختلف ممالک کی لوک کہانیوں کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کہانیاں اکثر و بیشتر اختصار سے لکھی ہوئی ملتی ہیں،کچھ کہانیاں طویل بھی ہوتی ہیں مگر زیادہ تعداد ایسی کہانیوں کی ہے جو نہایت مختصر طور پر قلمبند کی جاتی ہیں۔یہی نہیں بلکہ ان کا انداز بھی بیانیہ ہوتا ہے۔ان میں مکالمے نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں اور واقعات و حالات کی عکاسی نہیں ہوتی۔اس سے ان لوک کہانیوں کی دلکشی ،حسن اور دلچسپی میں بہت حد تک کمی آجاتی ہے۔اسی لیے شفیع عقیل نے ایرانی لوک کہانیوں کا اُردو

ترجمہ کرتے ہوئے ان تمام مشکلات اور ضروری امور کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان مقامات ،کردار ،مقامات،واقعات اور حالات،ہر چیز کو اصل کے مطابق رکھا اور کسی کہانی کے پلاٹ اور اس کے بنیادی تانے بانے میں کوئی تبدیلی یا فرق نہیں آنے دیا البتہ اُنھوں نے مکالموں میں ضرور اجتہاد کیا ہے تا کہ دلکشی کے ساتھ ساتھ کہانی میں روانی پیدا ہو سکے۔یہی وجہ ہے کہ یہ محض ترجمہ نہیں بلکہ انھیں از سر نو تحریر کیا گیا ہے۔انگریزی میں لوک کہانیوں کو از سر نو تحریر کرنے کے لیےretoldکا لفظ استعمال کیا جاتا ہے مگر اُردو میں اُنھیں اس قسم کا لفظ میسر نہ آیا لہٰذا انھوں نے فارسی اصطلاح باز نویسی ہی استعمال کی ہے۔

شفیع عقیل نے ان لوک کہانیوں میں سے کچھ کہانیوں کے فارسی عنوانات بھی فہرست میں ساتھ دے دیے ہیں کیونکہ وہ مختلف عنوانات کے تحت یا مختلف ناموں سے سنی سنائی جاتی ہیں۔بیشتر کہانیوں کے اُردو نام انھوں نے اصل کے مطابق رکھے ہیں البتہ کچھ کہانیوں کے نام تبدیل کیے کیونکہ وہاں محض ترجمے سے بات بن ہی نہیں سکتی تھی۔اس لیے شفیع عقیل نے متن اور بنیادی خیال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ان کے عنوانات تحریر کیے ہیں۔اس ضمن میں اُنھوں نے جن فارسی کتب کا متن بہتر سمجھا اور ان سے استفادہ کیا ان کے نام بھی تحریر کیے ہیں۔

دوسری کتاب اچھے بچوں کے لیے اچھی کہانیاں مؤلف مہدی آذریزدی مترجم ڈاکٹر تحسین فراقی ادارہ مطبوعات سلیمانی ،لاہور ایڈیشن سوم ۲۰۱۵ء ہے۔اس کتاب کا ماخذ ایران کے فاضل اور اعلیٰ نثر نگار سعد الدین وراوینی کی فارسی تالیفمرزبان نامہ کی تسہیل قصہ ہای خوب برای بچہ ہای خوب ‘‘ہے۔مرزبان نامہ کا اصل مصنف طبرستان کا شہزادہ مرزبان بن رستم بن شروین تھا ۔کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب قدیم طبرستانی لہجے میں تحریر کی گئی تھی اور تقریباًہزار برس قبل لکھی گئی تھی مگر اتنی مدت بعد بھی یہ کتاب زندہ و تازہ اور قارئین کے لیے مفید اور دلچسپی کا باعث ہے۔اس میں عقل و حکمت کی ایسی باتیں ہیں جن کے جاننے اور ان پر عمل کرنے سے انسان کی حیات کامیاب و کامران اور بامراد ہو سکتی ہے۔سعد الدین وراوینی نے مرزبان نامہ کو زبانِ طبری سے اپنے عہد کی فصیح فارسی زبان میں ڈھالا اور اس میں عربی و فارسی اشعار اور امثال کے ہیرے موتی جڑ کر اسے مرصع اور مزین صورت میں پیش کیا۔

ڈاکٹر تحسین فراقی نے کتاب اچھے بچوں کے لیے اچھی کہانیانمیں ایک تو مہدی آذریزدی مؤلف مرزبان نامہ کی اکیس کہانیوں کا ترجمہ کیا دوسرے نہایت معلوماتی اوردلچپ سات صفحات پر مشتمل ابتدائیہ بھی تحریر کیاہے۔جس کے ذریعے معلوم ہوتا ہے کہ مرزبان نامہ میں اصلی اور ذیلی کہانیوں کی تعداد ستر کے قریب ہے۔ان کہانیوں میں بڑی تعداد ایسی کہانیوں کی ہے جو غیر

بشری کرداروں یعنی حیوانات ،پرندوں اور دیووں پریوں وغیرہ کی زبان سے بیان ہوئی ہیں۔ایرانی لوک کہانیوں کے حوالے سے ڈاکٹر تحسین فراقی ابتدائیے میں رقمطراز ہیں:

> '' حیوانی کرداروں پر مشتمل کہانیاں پہلے پہل کس سرزمین سے ظہور کرتی ہیں،اس کا حتمی جواب مشکل ہے مگر ایک بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ ایسی کہانیوں کا مرکز یا تو یونان تھا یا بر عظیم پاک و ہندکی سرزمین۔مر زبان نامہ کے اسلوب اور اس کے غیر بشری کرداروں کو پنچ تنتر کے کرداروں سے مماثل قرار دیا جا سکتا ہے۔ پنچ تنتر کی کہانیاں ایران میں کلیلہ و دمنہ کے نام سے معروف ہوئیں اور آج ایران کے داستانی ادب کا نہایت اہم حصہ قرار دی جاتی ہیں۔سعد الدین وراوینی مرزبان نامہ کے مقدمے میں کلیلہ و دمنہ کے مترجم نصراللہ منشی کے طرز تحریر اور اس کے آرائشی اندازِ تحریر کی تعریف کرتا ہے مگر اپنے اسلوبِ تحریر کو منشی کے اسلوب نثر سے برتر قرار دیتا ہے۔''(۹)

ڈاکٹر تحسین فراقی سعد الدین وراوینی کے حوالے سے بچوں کو نہایت آسان اور سہل زبان میں معلومات بہم پہنچاتے ہیں کہ لوک کہانیوں اور داستانوں میں جانوروں،چرند پرند یا نباتات وغیرہ کی زبانی کہانیاں سنائی جاتی ہیں۔یہ تمثیلی اسلوب اس لیے اختیار کیا جاتا ہے کہ سامعین اور قارئین کو پند و نصائح کی تلخی ناگوار نہ گزرے اور وہ بالواسطہ اسلوب کے ذریعے حکمت و دانش کی باتیں سیکھ سکیں۔یہ اسلوب اس لیے بھی ضروری ہے کہ کھلم کھلا تنقید کے نتیجے میں ظالم و جابر حکمر ان لکھنے والے کے خلاف تادیبی کاروائی بھی کر سکتے ہیں ۔

مرزبان نامہکا عربی ،ترکی اور انگریزی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے۔یہ ایرانی کہانیاں حکایاتِ لقمان اور کلیلہ و دمنہ کی ہندی کہانیوں کی مانند ایسی اخلاقیات کا درس دیتی ہیں جو حکمتِ عملی کے ساتھ آمیخت کیا گیا ہے۔

مرزبان نامہ کے تین مرتب کردہ نسخوں(۱۰)کے بعد بچوں کے مشہور ادیب استاد مہدی آذریزدی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ انھوں نے اس حکمت آمیز کتاب کے بعض قصوں کو اسکول کے طلبہ و طالبات کے لیے سادہ پیرائے میں بیان کر دیا۔انھوں نے ۱۹۵۹ء میں پہلی بار مرزبان نامہ کی ستر حکایات میں سے اکیس کہانیوں کا انتخاب کر کے انھیں ہائی اسکول کے طلبا کے لیے جدید فارسی روزمرہ ،سادہ اور دلچسپ اسلوب میں تحریر کیا تاکہ قارئین ان کہانیوں سے اخلاق اور دانش و بینش کی باتیں سیکھ سکیں اور اپنی شخصیت کی تعمیر کر یں۔مہدی آذریزدی کے مطابق ادبیات ایران میں ایسے بیش بہا گوہر موجود ہیں ،جن سے اہل مغرب نے بھی روشنی حاصل کی ہے لہٰذا انھوں نے اپنا قومی فریضہ سمجھا کہ ان کہانیوں سے نئی ایرانی نسل کو روشناس کرائیں۔

مہدی آذریزدی نے نہ صرف مرزبان نامہ سے عمدہ ،حکمت آمیز ،اخلاق

ساز اور دلچسپ کہانیوں کو منتخب کر کے انھیں بچوں کی نفسیات کے مطابق آسان تر عبارتوں میں ڈھالا بلکہ ان کہانیوں میں کئی خوش کن باتوں اور تازہ خیالات کا اضافہ بھی اس خوبی سے کیا کہ ان کہانیوں کو نہ صرف بچوں بلکہ بڑوں میں بھی بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی ۔کہانیوں کا یہ سلسلہ ایران میں اس قدر مقبول ہوا کہ صرف مرزبان نامہ سے منتخب کردہ کہانیوں قصہ های خوب برای بچہ های خوب کے تیس سے زائد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور ہر ایڈیشن چار پانچ ہزار کی تعداد میں شائع ہوا ۔ڈاکٹر تحسین فراقی اس کتاب کا ترجمہ اُردو میں کرنے کی توجیہ یوں بیان کرتے ہیں:

> '' کتاب کی اسی مقبولیت کے پیش نظر اور اس میں موجود حکیمانہ نکات،بلند پایہ خیالات اور سبق آموز بیانات کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے سادہ و پرکار فارسی میں لکھی ہوئی مہدی آذریزدی کی اس کتاب کو اردو میں ترجمہ کیا ہے۔فارسی زبان اپنے اسالیب و خیالات کے اعتبار سے اردو سے گہری مماثلت رکھتی ہے۔ایران و پاکستان کے تہذیبی و ثقافتی،جغرافیائی و تاریخی اور دینی وتمدنی رشتے صدیوں پر پھیلے ہیں۔دونوں ممالک کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں فارسی اور اردو ادبیات کا ترجمہ ایک مضبوط پُل کا کام دے سکتا ہے۔''(۱۱)

ڈاکٹر تحسین فراقی نے اس جذبے سے سرشار ہو کر ان فارسی کہانیوں کا اُردو ترجمہ کیا ہے ۔جہاں تک ممکن تھا اصل متن کے قریب رہتے ہوئے جہاں ناگزیر تھا وہاں اصل متن میں تبدیلی کی گئی ہے۔اس ضمن میں اگر کہیں فارسی اشعار تھے تو انھیں بھی اردو شعر کے قالب میں ڈھالا گیاہےیاپھر حاشیے میں ان کا ترجمہ دے دیا گیا ہے۔اُردو زبان و ادب میں مرزبان نامہ کے اولین ترجمے کی حیثیت سے اس کتاب کی بہت اہمیت ہے۔چھوٹے اور بڑے بچے ان کہانیوں سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ ان میں موجود دانش ،ایثار،بلند نظری اور حکمت عملی کو اپنی شخصیت کا حصہ بنا سکتے ہیں اور اپنے معاشرے کو ایک مثالی معاشرے میں تبدیل کر سکتے ہیں۔

اُردو میں فارسی نئے افسانوں کے متعدد تراجم شائع ہو چکے ہیں مگر ایرانی لوک کہانیوں کے اُردو میں تراجم کی روایت کا تیسرا معتبر نام جناب معین نظامی ہیں ۔معین نظامی صاحب کی شخصیت کی مختلف جہات ہیں۔ وہ پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ فارسی کے ہر دلعزیز اُستاد،تہذیبی شعور رکھنے والے دھیمے لہجے کے شاعر اور اُردو زبان و ادب سے شغف رکھنے والے باذوق انسان نواز ہستی ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ وہ فارسی اساطیری اور لوک کہانیوں کو نہایت خوبصورتی سے اُردو زبان کے قالب میں ڈھالنے کا فریضہ حال ہی میں خوش اسلوبی سے انجام دے چکے ہیں۔معین نظامی صاحب کے پُر تاثیر لہجے میں بزرگانہ شفقت،نرم روئی، تہذیب کا رچاؤاور مٹی کی خوشبو رچی بسی ہے۔

اُردو زبان و ادب میں فارسی لوک کہانیوں کے تراجم کی اس مختصر

روایت میں معین نظامی کا کردار بھی بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ ان کی فارسی کہانیوں کے ترجمے کا اوّلین حصہ سفید پرندہ کے عنوان کے تحت زیورِ طبع سے آراستہ ہوا ہے۔معین نظامی کی ایرانی لوک کہانیوں کے اُردو ترجمے پر مشتمل کتاب سفید پرندہ میں شامل بائیس کہانیانفرہنگِ افسانہ ہای مردم ِ ایران از علی اشرف درویشیان،رضا خندان مہابادّی(۱۲)کی مختلف جلدوں سے منتخب کی گئی ہیں۔

معین نظامی نے چار صفحات پر مشتمل ابتدائیہ کتاب کے آغاز میں تحریر کیا ہے،جس میں انھوں نے مختصر مگر جامع انداز میں لوک کہانیوں کی اہمیت اور بنی آدم کے ساتھ ان کے دیرینہ تعلق کی وضاحت کے ساتھ ساتھ اپنے ایرانی لوک کہانیوں کے اُردو ترجمہ کی توجیہ بھی پیش کی ہے۔کہانی اور انسان کا ساتھ بہت قدیم ہے۔انسان کی یہ قابل محبت ساتھ ،کہانی ہمارے آباؤ اجداد کے قدیم ترین اظہاری پیرایوں میں سے ایک ہے اور صدیوں بعد بھی اس کی معصومانہ تروتازگی اسی طرح برقرار ہے۔اس کے ساتھ ساتھ کہانی کی جادوئی فضا میں انسان کی والہانہ دلچسپی اسی طرح بحال ہے جس طرح فطری مناظر ،پھول پودے ہمیں بھاتے ہیں یا چھوٹے ننھے منے پیارے پیارے بچوں کی خوبصورتی اور اس کی معصومانہ سادگی اپنی جانب متوجہ کرتی ہے۔

انسانی زندگی کے ابتدائی دور میں کہانیوں کا بھی ایک ہی خاندان تھا ۔اُن کا ماحول اور گردوپیش ایک ہی تھا۔ان کہانیوں کی ایک جیسی ضروریات ،خواہشات،مسرتیں،دکھ ،خوف ،اندیشے اور تمنائیں تھیں۔حیوانات، نباتات،جمادات ہوں یا غیر مرئی مخلوقات جیسے دیو ،پریاں اور جنات وغیرہ،سب ان کہانیوں کی دنیا میں بولتے اور انسانی دکھ سکھ میں سانجھ کے حامل تھے۔مگر اجتماعی طور پر وہ انسان جو ان کہانیوں کے خالق تھے،نے جب مختلف مسائل کی بنا پر ہجرت کرنی شروع کی اور مختلف جگہوں اور خطوں میں نئے خاندان اور نئی برادریاں تشکیل دینے کا آغاز کیا تو ان کے زادِ راہ میں ان خوشبو دار کہانیوں کی پوٹلیاں بھی شامل تھیں۔یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر کی لوک کہانیوں میں بہت سی واقعاتی اور کرداری مماثلتیں ملتی ہیں۔یہ مماثلتیں اس قدر عجیب اور حیرت زدہ کر دینے والی ہیں کہ چین ،جاپان ،یونان،ترکی ،مصر،افغانستان ،بر صغیر پاک و ہنداور ایران وغیرہ دنیا کے مختلف ممالک کی کہانیاں کبھی کبھار ایک ہی جگہ،ایک ہی جگہ سے متعلق معلوم ہوتی ہیں۔ان کہانیوں کے اکثر موضوعات بھی یکساں معلوم ہوتے ہیں اور ان کہانیوں کے نتائج بھی ایک جیسے ہی ہوتے ہیں ۔ان کہانیوں میں اجتماعی انسانی کاوشوں کے نتیجے میں دنیا کے مختلف خطوں اور علاقوں کے انسانوں کے مجموعی تجربات و مشاہدات یکجا ملتے ہیں۔

ان لوک کہانیوں میں آج کے ترقی یافتہ دور کے انسان کی بھی گہری دلچسپی کا باعث ان کے واقعات میں الجھاؤ کے بجائے سادگی اور اندازِ بیان

میں پیچیدگی کے عنصر کا نہ ہونا ہے۔ان کہانیوں میں نیکی اور بدی اور خیر اور شر کی طے شدہ علامتیں موجود ہوتی ہیں جو عموماً باہم بر سر ِ پیکار رہتی ہیں۔یہ کہانیاں ایک طرف تو اپنے خطے کی مخصوص تہذیب اور ثقافت کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہوتی ہیں اور دوسری جانب نیکی اور سچائی کی طاقت اور بدی اور جھوٹ کے بے سر و پا ہونے کا اعلان بھی کرتی ہیں۔لوک کہانیاں کسی بھی ملک کی اساطیر ،ضرب الامثال ،مقامی زبان زد عام کہاوتوں اور قصوں کا بہترین اظہار ہوتی ہیں،جن سے اس مخصوص ملک کے تہذیب و تمدن کی عکاسی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ان لوک کہانیوں کی مدد سے انسانوں کی تہذیب و تربیت کا کام بھی لیا جاتا رہا ہے اور آج بھی بچوں کو بچپن سے ہی کہانی سے رغبت اور دلچسپی کی بنا پر کہانی کی صورت میں اچھائی اور نیکی کا درس دیا جاتا ہے۔ان کہانیوں میں خیر اور اچھائی کو ہی حتمی غلبہ حاصل ہوتا ہے اور آخر میں سچ کی ہی فتح ہوتی ہے ۔مصائب اور تکالیف کا دورانیہ اکثر مختصر ہوتا ہے اور پھر کہانیوں کے کردار ہمیشہ ہنسی خوشی زندگی گزارتے ہیں۔ان کہانیوں میں چھوٹی چھوٹی خوشیوں پر بڑی بڑی مسرتوں کا احساس ملتا ہے۔ان کہانیوں میں جب بھی کوئی کردار کسی مصیبت کا شکار ہوتا ہے تو اُسے کوئی نہ کوئی سہارا یا غیبی طاقت مددگار کے طور پر ضرور میسر آجاتا ہے اور بڑی سے بڑی پریشانی یا مصیبت کے حل کا کوئی نہ کوئی راستہ ضرور سجھائی دے جاتا ہے۔اور یوں آخر کار کہانی کا اختتام اطمینان اور سکون کی سرشاری پر ہو جاتا ہے۔معین نظامی اس ضمن میں رقمطراز ہیں:

> '' کہانی کاروں کے مشاہدات و تجربات میں روز افزوں رنگا رنگی،معلومات میں غیرمعمولی اضافے اور ترجیحات کے ہمہ گیر تغیر و تبدل کے ساتھ ساتھ کہانیوں کے لفظی و معنوی مواد اور اسالیب اظہار میں بھی پھیلاؤ اور گہرائی آتی گئی لیکن ان کا بنیادی سانچاکم و بیش یکساں ہی رہا۔لوک کہانیوں کے سرچشمے سے عالمی اساطیر،مذاہب و روحانیات اور شعر و ادب بھی جی بھر کے سیراب ہوئے۔لوک کہانیاں خوب پھُولیں پھلیں اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں طرح طرح کی مہارتیں بہ روئے کار لائی گئیں۔ افسانہ،ناول،ڈراما،داستانوی مثنویاں اور دور ِ جدید کی کارٹون فلمیں اور ویڈیو گیمز انھی کی ترقی یافتہ صورتیں ہیں۔''(۱۳)

عالمی سطح پر لوک کہانیوں کی اہمیت ،ان کی فکری و ہئیتی درجہ بندی ،ان کے مخصوص علامتی نظام اور ان کی تاریخی ،تہذیبی ،نفسیاتی اور ادبی تفہیم کے حوالے سے کافی تحقیقی کام ہوا ہے اور دنیا کی تقریباً تمام بڑی اور زرخیر زبانوں میں گرانقدر کتب اور تحقیقی مضامین قلمبند کیے جا چکے ہیں ۔ہمارے یہاں اس حوالے سے بہت کم کوشش کی گئی ہے ۔محترم شفیع عقیل ،ڈاکٹر تحسین فراقی کے بعد معین نظامی کا لوک کہانیوں کے اُردو تراجم کی جانب توجہ مبذول کرنا نہایت خوش آئند امر ہے۔

لوک کہانیوں کے موضوعاتی و اسلوبیاتی تناظر کے ضمن میں اگر معین نظامی کے ایرانی کہانیوں کے اُردو ترجمہ سفید پرندہ کا جائزہ لیاجائے تو سب سے پہلی بات یہ ہے کہ انھوں نے ایرانی لوک کہانیوں اور حکایات کے جنوبی ایشیا کی تقریباً تمام زبانوں کی لوک کہانیوں پر اثرات ہونے کے باعث ایرانی لوک کہانیوں کے اُردو میں ترجمہ پر خاص توجہ دی ہے ۔اس سلسلے کی پہلی کتاب منظر عام پر آچکی ہے ۔اس سے نہ صرف ایرانی تہذیب و ثقافت کی تفہیم میں مدد ملے گی بلکہ ترجمے کے فن کی روایت میں بھی گراں قدر اضافہ ہو گا۔معین نظامی نے معروف ایرانی افسانہ نگار ،ناول نگار اور لوک کہانی کار علی اشرف درویشیان اور رضا خندان مہابادی کے فرہنگ افسانہ ہای مردمِ ایران کی سولہ جلدوں سے بائیس کہانیاں منتخب کر کے انھیں اُردو کا قالب عطا کیا ہے اور کوشش کی ہے کہ کوئی تکراری ترجمہ نہ کیا جائے۔ان بائیس لوک کہانیوں کے ترجمہ کو دیکھا جائے تو یہ نہایت سادہ ،رواں اور با محاورہ ترجمہ معلوم ہوتا ہے۔کہیں بھی ایسا گمان نہیں گزرتا کہ یہ کہانیاں طبعزاد نہیں بلکہ فارسی زبان سے ترجمہ کی گئی ہیں۔معین نظامی نے ان کہانیوں کا ترجمہ کرتے ہوئے انھیں مقامی رنگ بھی دے دیا ہے جس کی بنا پر ان کہانیوں کا مطالعہ کرتے ہوئے ان میں مقامی مٹھاس اور شیرینی کا احساس ہوتا ہے۔یہ کہانیاں نہیں بلکہ مشامِ روح کو معطر کرنے والی چنبیلی کا کنج معلوم ہوتی ہیں۔

معین نظامی نے بعض کہانیوں کے عنوانات تبدیل کیے ہیں مگر بنیادی کہانی کے سانچے میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔اس کتاب کی سب سے پہلی کہانی '' انار اور مچھلی'' کا مطالعہ کرتے ہوئے مترجم کی اپنی شخصیت اور اندازِ بیان کا گہرا رنگ چھایا ہوا محسوس ہوتا ہے۔فارسی زبان کی تہذیب اور اُردو زبان کی شیرینی دونوں کا حسین امتزاج ان کہانیوں میں صاف جھلکتا ہے۔خاص طور پر اس کہانی میں زبان کی معصومیت آمیز سادگی اور دلچسپ اندازِ بیان قابل دید ہے۔یوں محسوس ہوتا ہے جیسے بہت شفقت اور متانت کے ساتھ بہت چھوٹے بچوں کے لیے طبعزاد کہانی تحریر کی گئی ہے۔اس قدر خوبصورت الفاظ اور اندازِ بیان اس قدر شگفتہ کہ بچے تو ایک طرف بڑے خوب لطف اندوز ہوں گے۔اس سے ترجمے کے فن کی بھی خوبی کا اظہار ہوتا ہے کہ ایرانی لوک کہانی کا اس عمدگی سے تہذیب و ترجمہ کیا جائے اور اُس کہانی کو اپنے ماحول میں اس طرح ڈھال لیا جائے کہ اس پر ترجمے کا گمان تک نہ گزرنے پائے۔دوسری جانب اس کہانی سے ایرانی تہذیب اور سیاسی و سماجی حالات کی تفہیم میں بھی بہت مدد ملتی ہے۔انار وں اور مچھلیوں کے جھگڑے میں جب قاضی انصاف اور جھگڑے کے تصفیے کے بجائے مچھلی کو تلنے کا اور انار کو اس پر چھڑک کر کھانے کا فیصلہ سناتا ہے اور اس کی بیوی اس فیصلے پر عمل درآمد کرتی ہے۔مچھلی اور انار کے احتجاج پر قاضی کی بیوی کا کہناکہ فیصلہ تو قاضی کا ہی چلتا ہے اوراُسے تو محض عمل در

آمد کرنا ہے،ایرانی تہذیب و ثقافت میں بھی آدمی کو اور اُس کے فیصلوں کو اوّلیت اور تقدم حاصل ہے اور بیوی کا کام صرف اُسے تسلیم کرنا ہے۔ اس کہانی کا اختتام ملاحظہ کیجیے:

> ''خبر اناروں اور مچھلیوں تک بھی پہنچ گئی۔وہ دکھ درد میں ڈوب گئے اور انھوں نے دونوں کا سوگ منایا۔ سوگ کے دنوں ہی میں وہ اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ قاضی اگر باہر کا ہوا تو ان کے لیے کبھی کچھ نہیں کرے گا۔انھوں نے آپس میں معاہدہ کر لیا کہ ایک دوسرے کے حقوق کی خلاف ورزی نہیں کیا کریں گے۔''(۱۴)

آج بھی ایران کے لیے کسی بیرونی سامراجی طاقت کی استعماریت نا قابلِ قبول ہے۔بظاہر ایک انتہائی مختصر ایرانی لوک کہانی سے ایرانی سیاسی و سماجی مزاج کو سمجھا جا سکتا ہے ۔دراصل یہی لوک کہانیاں کسی بھی قوم کے مجموعی مزاج کی آئینہ دار ہوتی ہیں لہٰذا اس کہانی سے بھی برادر اسلامی ملک ایران کے سیاسی مزاج کی عکاسی ہوتی ہے۔

اس کتاب میں شامل دوسری لوک کہانی '' تیغ بہادر'' بالکل ایسی معلوم ہوتی ہے جیسی '' الف لیلہ'' کی کہانیاں یا ہمارے یہاں کی مقامی ہندوستانی لوک کہانیاں۔انہی کا سا مزاج ،موضوع اور اسلوب یکساں ہے۔بے اولاد بادشاہ کا درویش کی دعا سے اولاد کا حصول،وہی شہزادے کا جوان ہو کر کسی حسینہ کی تصویریا اس کی زبانی تعریف سنتے ہی یا اُس کا ایک بال دیکھ کر اُس پر ہزار جان سے عاشق ہو جانا اور اُس کی تلاش میں بھٹکنا،وہی چرند پرند کا شہزادے کی مدد کرنا اور دوستی کا حق ادا کرنا،وہی راستے کی آزمائشیں اور ان پر غالب آجانا،راستے میں کسی شہر پر دیو کا قبضہ اور شہزادے کا اُسے موت کے گھاٹ اُتارنا،بادشاہوں کے کئی کئی دن خوشی اور فتح کے جشن منانا،شہزادے کا مطلوبہ حسینہ کو پا لینا اور اُس سے شادی کرنا،وہی سب کچھ اور اس سے بھی بڑھ کر بہت کچھ اس کہانی میں بھی موجود ہے۔ہر لوک کہانی کی طرح اس کہانی میں بھی کٹنی یا مکار بڑھیا کا کردار موجود ہے۔ ہر لوک کہانی کی مانند اس کہانی میں بھی عیاری اور مکاری پر نیک نیتی اور سچائی کے علاوہ صبر ، تحمل اور تدبر ہی غالب آتا دکھائی دیتا ہے۔ سلیمانی انگوٹھی کے ذریعے ضروریات کا مہیا ہو جانا اور ایک شہر سے کسی دور دراز جگہ منتقلی کا ممکن ہونا بھی ہماری مقامی اُردو اور پنجابی لوک کہانیوں سمیت دنیا کی بیشتر زبانوں کی لوک کہانیوں میں یکساں ملتا ہے۔

کہانی'' خربوزہ اور تربوز''ایرانی بادشاہت کے دور کے عدل و انصاف اور غریب پروری کے دور کا اظہار کرتی ہے،جب بادشاہوں کے محل کے باہر زنجیرِ عدل لٹکائی جاتی تھی اور اس پر ایک پہرے دار بھی مقرر کیا جاتا تھا۔جب بھی کسی کوئی ظلم ہوتا یا کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو آ کر زنجیر ہلادیتا اور بادشاہ فوری اُس کی داد رسی کرتا تھا۔ جیسا کہ لوک کہانیوں میں بچوں کے لیے خصوصاً اخلاقی درس اور نیکی اور اچھائی کا پیغام بیان کیا جاتا ہے اور

اس ضمن میں معصومیت اور دنیا امن اور چین کا گہوارہ ہے ،کی علامت کے طور پر جانوروں اور پرندوں کی انسان سے دوستی کو کہانیوں میں بیان کیا جاتا ہے ،اس کہانی میں بھی سانپوں کا بادشاہ اپنے ساتھ نیکی کا اجر دو بیجوں کے تحفے کے طور پر دیتا ہے اور انھیں بونے کے بعد ان پر پھل لگے ۔یہ پھل خربوزہ اور تربوز تھے جو کہ انسان کی صحت کے لیے بہت مفید ہیں۔لوک کہانیوں میں ہر شے کے وجود میں آنے اور ابتدا سے متعلق مشہو رہونے والی مختلف اساطیر کا ذکر موجود ہوتا ہے،اس لوک کہانی میں بھی دو پھلوں خربوزہ اور تربوز کی ابتدا سے متعلق دلچسپ کہانی کی بُنت موجود نظر آتی ہے ۔

مختصر ترین کہانی'' دنیا کی تاریخ'' میں اختصار آمیز جامعیت کے ساتھ دنیا کی تاریخ کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے کہ لوگ دنیا میں آتے ہیں ،تکلیفوں کا سامنا کرتے ہیں اور پھر وفات پا جاتے ہیں۔اس سے اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے کہ دنیا دادِ عیش دینے کی جگہ نہیں بلکہ ایک آزمائش گاہ اور جائے عبرت ہے،لہٰذا اس سے دل لگانے کے بجائے اپنی پیدائش کے اصل مقصد کو فراموش نہیں کرنا چاہیے اور اپنی آخرت کے سفر کے لیے زادِ راہ کی تیاری پر توجہ دینی چاہیے۔

'' خان گردوغبار خان''کے عنوان سے کہانی کا موضوع بھی ایک لومڑی کی چالاکی اور مکاری پر مبنی ہے ،جس کا اندازِ بیان بے حد دلچسپ اور کوملتا کا حامل ہے۔خاص طور پر چھوٹے نونہالوں کے لیے اس کہانی بلکہ اس پوری کتاب کا مطالعہ بے حد مفید ثابت ہو گا۔بچوں کو کہانیاں بہت بھاتی ہیں اور انھیں نصیحت کرنے یا بحیثیت ایک اچھا انسان بنانے کے لیے اکثر کہانیوں کی صورت ہی اخلاقی درس دیے جاتے ہیں ۔چنانچہ اس کہانی سے بھی وہ با آسانی یہ سبق سیکھ سکتے ہیں کہ جھوٹ اور مکر و فریب کے پاؤں نہیں ہوتے اور ایک نہ ایک روز اس کی قیمت ضرور چکانا پڑتی ہے لہٰذا سچائی کو اختیار کرنا چاہیے کہ اسی میں انسان کی عظمت ہے۔اللہ کے شیروں کو رُوباہی نہیں آتی اس لیے اپنی نیت ہمیشہ صاف رکھنی چاہیے کیونکہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہی ہے۔سو اس کہانی میں بھی لومڑی اپنی چالاکی اور مکرو فریب کے باعث عبرت کا نمونہ بن گئی اور ہلاک ہو گئی۔ان کہانیوں کا ترجمہ کرتے ہوئے مترجم نے نہایت سادہ اور متین الفاظ کا انتخاب کیا ہے۔اُن کی اپنی شخصیت کا ملائمت اور لطافت سے بھرپور مزاح کا پہلو بھی ان میں در آتا دکھائی دیتا ہے جو ان کہانیوں کو مزید دلفریبی عطا کر دیتا ہے جیسے کہ کہانی'' دُم کٹی لومڑی'' میں '' محترمہ لومڑی صاحبہ''(۱۵)اور ادب آداب سے لبریز تکلفاتی انداز بیان اور اندازِ تخاطب نئی نسل کو اپنی تہذیب اور ثقافت سے آشنائی کے ساتھ ساتھ دھیمے سے نا محسوس انداز میں اُن کی تربیت کے فرائض بھی انجام دیتا ہے۔

کہانی '' وزیر اور اُس کا مقدر'' ایک بے حد اہم موضوع پر مشتمل ہے

۔اس کہانی کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کیا گیا ہے۔روحانی پیشواؤں اور صوفیا کرام کے پسندیدہ موضوعات ہمیشہ سے مقدر ،تقدیر ،اختیار اور مجبوری، زندگی اور موت رہے ہیں۔ اس کہانی کا موضوع بھی انسانی مقدر ہے ۔انسان اپنی قسمت ،مقدر اور زمانے کو کوستا رہتا ہے مگر اللہ پاک قرآن مجید فرقان حمید میں فرماتا ہے کہ زمانے کو بُرا مت کہو کہ میں ہی زمانہ ہوں۔اختیارات اور عہدے ملنے کے بعد غرور اور تکبر میں مبتلا ہو جانا اور خود کو ہی ہر چیز پر بالاتر سمجھنا انسان کی سب سے بڑی خطا ہے ،جس کی سزا بعض اوقات اُسے اس فانی دنیا ہی میں بھگتنا پڑتی ہے۔کیونکہ عزت اور ذلت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اللہ جیسا چاہتا ہے ویسا ہی کرتا ہے۔اور اللہ بہتر کرتا ہے لہٰذا خود کو اپنی تقدیر پر حاوی سمجھنا اور اللہ پاک کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کرنا انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتا۔اس سے گُریز ہی کرناچاہیے۔

لوک کہانیوں میں عموماً شہزادے اور بہادر نوجوانوں کی مدد اور رہنمائی چرند پرند کرتے دکھائی دیتے ہیں۔اسی طرح کہانی '' مشکی گھوڑا'' میں مُشکی گھوڑا شہزادے ملک ابراہیم کے ہاتھ سے میوے اور مصری کھاتا اور راز کی باتیں بتاتا دکھائی دیتا ہے اور اُسے اُس کی دشمن یعنی اُس کی سوتیلی والدہ کی سازشوں سے آگاہ کرتا نظر آتا ہے۔ پھر جُدا ہوتے سمے وہ شہزادے کو اپنے بال دیتے ہوئے مصیبت کی گھڑی میں ایک بال جلانے کی ہدایت کرتا اور بعد ازاں شہزادے کی مدد کرتا ہے۔اس طرح کی کہانیوں کے ذریعے بچوں کے اندر انسانوں اور دوسری مخلوقات چرند پرند سے محبت اور دوستی کی اہمیت سکھانا مقصود ہوتاہے۔ایک دوسرے کا احساس اور مصیبت کے وقت اپنے دوستوں کی مدد کرنے کا پیغام اس قسم کی کہانیوں سے بچوں کو سکھایا جاتا ہے۔اس کے علاوہ بادشاہ کا اپنے دامادوں کے مابین چوگان اور کُشتی کے مقابلے کروانا بھی دراصل بچوں کے اندر صحت اور تندرستی کی خاطر کھیل اور ورزش جیسی عادات پیدا کرنے کی ایک کوشش ہے اور بچپن سے ہی اُن کے دل میں بہادری اور ہمت و حوصلے جیسے خصائص کو اُجاگر کرنا مراد ہوتا ہے۔

ایرانی لوک کہانیوں کے اُردو ترجمے پر مشتمل کتاب کا عنوان سفید پرندہ رکھا گیا ہے ۔اس کتاب میں موجود ایک کہانی بعنوان '' سفید پرندہ ''میں اگر دیکھا جائے تو سفید پرندہ ایک بہادر شہزادے کی ہر گام مدد اور رہنمائی کرتا دکھائی دیتا ہے۔لوک کہانیوں اور داستانوں مینایک سفید پوش بزرگ یا کبوتر ،عقاب ،فاختہ یا کوئی پرندہ جیسے طوطا وغیرہ مرکزی کردار کی مشکل وقت میں حضرت خضر ؑ کی مانند مدد اور رہنمائی کے لیے ضرور آتا ہے۔یہ سفید پرندہ نیکی کی علامت کے طور پر اس کہانی میں موجود ہے ،جو یہ ثابت کرتا ہے کہ جب انسان کی نیت نیک ہو اور وہ حوصلے اور ہمت سے کسی نیک مقصد کے لیے سفر اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالی ضرور اپنے نیک اور محنتی

بندوں کی مدد کا کوئی نہ کوئی وسیلہ بنا کر بھیجتا ہے ۔گویایہ سفید پرندہ نیکی ،بزرگی ،روحانیت اور تدبر کی نشانی ثابت ہوتا ہے۔

کہانی '' سفید پرندہ'' میں بادشاہ کااپنی ملکہ کو امید سے ہونے پر زیادہ بہتر دیکھ بھال کی خاطر اُس کے میکے بھجوادینا ایرانی تہذیب اور پاکستانی تہذیب کی یکسانیت یا مشترکہ مماثلت کی جانب اشارہ کرتا ہے۔پھر بعد ازاں شہزادے کی ولادت کے بعد بھی ملکہ کو مزید کچھ عرصہ میکے میں ہی قیام کا پیغام بھجوانا تا کہ ماں اور نوزائیدہ حاسدوں اور دشمنوں کی نظروں سے محفوظ رہیں،بھی ارضی و ثقافتی قربت کا اظہار کرتا ہے۔اس کے علاوہ دشمنوں کے ہاتھوں ملکہ کے قتل کے بعد ننھے شہزادے کی پرورش شیر کے ہاتھوں ہونا بھی زمانے کی ابتدا سے ہی لوک کہانیوں اور داستانوں میں اس طرح کے واقعات کا بیان ملتا ہے۔پھر شہزادے شیر زاد کا تیغ زنی اور تیر اندازی میں مہارت حاصل کرنااور کم عمری میں ہی بڑے سے بڑے پہلوان اور جنگی سورماؤں کا اُس کے سامنے نہ ٹھہر سکنا،بھی روایتی کہانیوں اور داستانوں کی بازگشت ہے۔

کہانیوں اور داستانوں میں شہزادوں میں سب سے بہادر اور جری شہزادے کو اولیت اور اہمیت حاصل ہوا کرتی تھی اور انھیں خود کو منوانے کے لیے کڑی آزمائشوں اور سخت امتحانوں سے گزرنا پڑتا تھا۔'' سفید پرندہ'' میں بھی شیر زاد کا چچا بادشاہ بننے کے بعد اپنے بیٹوں اور شیرزاد کی بہادری اور دلیری کو پرکھنے کے لیے انھیں سفر پر روانہ کیا اور پھر سب سے زیادہ دلیری اور شجاعت کے باعث شیر زاد کو اپنا جانشیں نامزد کیا۔ اس سفر کے دوران سفید پرندہ شیر زاد کی ہر مرحلے پر رہنمائی کرتا ہے اور اس ضمن میں اُسے شیرزاد کو سختی سے سرزنش بھی کرنی پڑتی ہے تو گُریز نہیں کرتا۔مختلف دیو بھی اس کہانی کا حصہ ہیں اور دیو مالائی مخلوق سے متعلقہ واقعات بھی اس کہانی کا حصہ ہیں۔ اس کہانی کے ذریعے اطفال کی ایک تو دلچسپی بڑھتی ہے دوسرے تربیت کا سامان بھی موجود ہے کہ لالچ اور حرص بُری بلا ہے جس کاانجام اچھا نہیں ہوتا۔ہر بار لالچ میں مبتلا ہونے پر شیر زاد خود کو مصیبت میں مبتلا کر لیتا ہے۔ اس پر سفید پرندہ اُسے ظاہرہو کر سرزنش کرتا اور نصیحت کرتا ہے:

> '' اے لالچی شخص ،تم سیدھے موت کے منہ میں جا رہے ہو۔میری باتیں دھیان سے سن لو۔سفید دیو کی بیٹی مہینے میں سات دن سوتی ہے۔ابھی وہ سو رہی ہے۔ان دنونمیں اسے اس کے بالوں میں باندھ کر میخوں سے کس دیا جاتا ہے۔ممکن ہی نہیں کہ تم اسے کھول سکو۔صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ تم سفید دیو کے اصطبل کا رخ کرو۔وہاں ایک گھوڑا ہے جسے چوالیس کھونٹونمیں جکڑا گیا ہے۔کوئی پرندہ بھی اس کے قریب پر نہیں مار سکتا۔تم صرف اسی گھوڑے پر سوار ہو کر لڑکی کو اٹھا کر لا سکتے ہو۔اگر تم اس لڑکی کو جگانے اور ساتھ لانے کی پہلی

کوشش میں ناکام ہوئے تو زانوؤں تک پتھر کے ہو جاؤ گے۔دوسری ناکامی تمھیں کمر تک پتھرا دے گی اور تیسری ناکامی تمھیں پورے کا پورا پتھر بنا دے گی اور تم وہیں کے وہیں رہ جاؤ گے۔''(۱۶)

انسان کا پتھر ہو جانا لوک کہانیوں اور داستانوں ہی میں ایسی غیر معمولی باتیں اور غیر عقلی چیزیں ملتی ہیں۔بہرحال سفید پرندہ ہر ہر قدم پر شیرزاد کی اصلاح اور بہتری کے لیے کوشش کرتا ہے اور ہر مشکل پر قابو پانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔مگر اس کہانی میں ایک یہ چیزبھی معلوم ہوتی ہے کہ انسان اپنے ساتھ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہمیشہ برائی ہی کرتا ہے ۔چنانچہ اس کہانی کے اختتام پر بھی سفید پرندے کو بھی اسی دُکھ سے جان دینی پڑی۔

ایک اور کہانی'' سنہری پرندہ'' کا انتخاب بھی بہت بہترین ہے کیونکہ اس کہانی کا موضوع بہت سبق آموز ہے ۔بوڑھے میاں بیوی محنت مزدوری کر کے خستہ حالی سے زندگی گزارنے پر مجبور تھے ۔بڑے میاں سنہری پرندے کے حصول کی بڑی تمنا رکھتے تھے کہ اُن کے بھی دن پھر جائیں۔آخر ایک روز اُن کی مراد بر آئی اور سنہری پرندہ اُن کے جال میں پھنس گیا ۔پرندے نے اپنی آزادی کی درخواست کی کہ اس کے بدلے میں وہ جو بھی خواہش کریں گے پوری ہوگی۔بڑے میاں نے اپنی تکلیف دہ زندگی کے مسائل کم کرنے کی شدید خواہش کا اظہار کیا ۔اس پر پرندے نے انھیں آرام دہ گھر دلایا اور اپنا ایک پر دیتے ہوئے کہا کہ آئندہ بھی کوئی ضرورت ہو تو اس پر کو ذرا سا جلانے پر وہ حاضر ہو گا۔کچھ عرصہ سکون سے گزارنے کے بعد برھیا اُکتانے لگی اُس کی خواہشات بڑھتی رہیں اور سنہری پرندہ اُن کی خواہشات پوری کرتا رہا ۔لیکن جب خاتون کی حرص حد سے تجاوز کر گئی اور وہ زمین آسمان کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لینے کی خواہش کا اظہار کرتی ہے تو وہ واپس عیش و آرام کے حالات سے اپنی خستہ حال کٹیا میں پہنچ گئے۔ اس کہانی سے یہ سبق بخوبی ملتا ہے کہ انسان بہت جلد باز اور لالچی ہونے کے ساتھ ساتھ نا عاقبت اندیش بھی ہے اور جیسا کہ اللہ تبارک و تعالی نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایاہے کہ انسان ہمیشہ گھاٹے کا سودا کرتا ہے وہ قیمتی شے پر معمولی شے کو ترجیح دیتا ہے۔اس کہانی میں بھی لالچ اور خدا بننے کی خواہش نے بوڑھے میاں بیوی کو بالاآخر ہر شے سے محروم کردیا ۔یوں اس کہانی سے اس سبق کا اعادہ ہوتا ہے کہ لالچ بُری بلا ہے۔اسی طرح کہانی ''خوش نصیب نوجوان '' سے یہ سبق ملتا ہے کہ جو دوسروں کی مدد کرتا ہے اور اپنے نفس پر دوسروں کو ترجیح دیتا ہے، دنیاوی نعمتوں سے کبھی محروم نہیں رہتا بلکہ خوش نصیبی اُس کا مقدر بنتی ہے۔

کہانی '' بادشاہ کے عجیب خواب'' بے حد سبق آموز اور دلچسپ کہانی ہے ۔ایک بادشاہ نے عجیب خواب دیکھا کہ آسمان سے مسلسل لومڑیاں برس رہی ہیں ۔اس خواب کی تعبیر کی غرض سے ایک بوڑھے کو دربار لایا گیا۔

تین دن کی مہلت کے باوجود وہ اس خواب کی تعبیر بتانے سے قاصر تھا مگر ایک سانپ انعام میں ملنے والی آدھی شاہی خلعت دینے کے وعدے پر خواب کی تعبیر بتاتا ہے کہ بادشاہ کی سلطنت میں لومڑیوں جیسے چاپلوس اور مکار افراد زیادہ ہو جائیں گے ،وہ بادشاہ کے نام پر لوگوں کو دھوکا دیں گے اور اُن کا جینا حرام کر دیں گے۔بادشاہ نے خواب کی تعبیر سے خوش ہو کربوڑھے کو انعام سے نوازا مگر بوڑھے کی نیت بدل گئی اور وہ راستہ بدل کر اپنے گھر پہنچ گیا۔کچھ برس بعد بادشاہ نے پھر ایک خواب دیکھا کہ آسمان سے بھیڑیوں کی بارش ہو رہی ہے ،چنانچہ بوڑھے کو تعبیر کے لیے بلایا گیا ۔سانپ کی پھر اُس سے ملاقات ہوگئی اور اُس نے اُسی گزشتہ شرط پر تعبیر بتا دی کہ بادشاہ کی حکومت میں بھیڑیوں کی طاح ظالم لوگوں کی کثرت ہو جائے گی اور اگر اُنھیں چُھوٹ دی گئی تو وہ عوام کا خون پی جائیں گے۔ بوڑھے نے سانپ سے اپنے گزشتہ رویے کی تلافی کا وعدہ کیا مگر پھر بد نیتی کی بنا پرسانپ کو مار نے کی کوشش کی،جس کے نتیجے میں اُس کی دُم کٹ گئی اور وہ فرار ہو گیا۔کچھ عرصہ بعد بادشاہ نے پھر خواب دیکھا کہ آسمان سے بھیڑ وں کی بارش ہو رہی ہے ۔ بہت سوچ بچا کے باوجود بوڑھا اس کی تعبیر نہ سوچ سکا اور اپنی وعدہ خلافی اور زیادتی کے احساس سے بہت افسردہ بھی ہوا ۔سانپ نے اُسے راستے میں روک کر اُس کی پریشانی کا سبب دریافت کیا۔بوڑھا بہت خوفزدہ تھا مگر سانپ نے خواب کی بابت استفسار کیا اورکہا اب پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ بادشاہ کی سلطنت میں عدل و انصاف کا احساس رکھنے والوں کی کثرت ہو گئی ہے اور عوام بھیڑوں کی مانند امن پسند ہو جائیں گے نیز اپنے اپنے حصے پر راضی رہیں گے۔ بوڑھادربار سے واپسی پر قیمتی جواہرات اور انعامات و خلعتیں اٹھائے سانپ کے پاس آیا اور سب کچھ اُسے سونپنا چاہا،جس پر سانپ نے سب کچھ بوڑھے کو واپس لوٹاتے ہوئے کہا کہ خلعت کا تقاضا صرف اپنی تعبیر کی درستی کا پتا چلانے کی غرض سے ہوتا تھا اور تم ہر بار خود ہی میری تعبیر کا نمونہ بن جاتے تھے ۔اس بار تم کسی بھیڑ کی مانندا پنے حصے پر مطمئن اور سچے دل سے میرے پاس آئے ہو۔اس کہانی میں بچوں کے لیے بہت سے اخلاقی درس بیان کیے گئے ہیں ۔جن پر عمل پیرا ہو کر آج کے بچے کل کے ذمے دار شہری اور اپنی ملک و قوم کے لیے نافع الناس بنیں گے۔

اسی طرح ایک کہانی '' شاہی چور'' بھی بچوں کو محنت کرنے اور چوری جیسے جرم سے باز رہنے کے اخلاقی سبق پر مبنی ہے۔اس کے ساتھ ہی ساتھ اس کہانی سے ایک اور چیز بھی معلوم ہوتی ہے کہ ایرانی بادشاہ کا معمول تھا کہ وہ راتوں کو بھیس بدل کر گشت کرتا اور اپنی رعایا کا حال خود معلوم کیا کرتا تھا ۔دین اسلام کی تاریخ میں ماضی میں بھی حکمرانی کے ایسے ہی طور ملتے ہیں جنھیں ان بادشاہوں نے بھی اپنایا تھا۔اسلام ہمیں عدل و انصاف

اور مساوات کی بنیاد پر حکومت کا درس دیتا ہے آج بھی حکمرانوں کو اس پر عمل کرتے ہوئے خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کی اتباع میں رعایا کی بابت جواب دہی کے معاملے میں خدا سے ڈرنا چاہیے ۔

کہانی '' سات سروں والا اژدہا '' میں ایک اخلاقی سبق یہ موجود ہے کہ کسی کا معمولی سا قرض بھی اگر آپ کے ذمے واجب الادا ہے تو قیامت کے روز اس کا حساب دینا ہو گا لہٰذا کسی کا قرض اپنے سر مت رکھیں اور اس کی ادائیگی فی الفور کر دینا چاہیے۔کہانی '' ساربان '' کا انتخاب بچوں کے لیے اس جذبے کے تحت کیا گیا ہے کہ وہ اپنے پالتو جانوروں سے بے حد محبت سے پیش آئیں کیونکہ جب آپ اُن کے حقوق کا خیال رکھتے ہیں تو ایک تو آپ خدا اور رسول ؐکے احکامات پر عمل پیرا ہوتے ہیں ،آپ کو روحانی و قلبی اطمینان میسر آتا ہے اور اُن پالتو جانوروں کو بھی آپ سے خاص محبت اور انسیت عقیدت کی حد تک ہو جاتی ہے اور وہ بھی آپ کے احسانات فراموش نہیں کرتے بلکہ وقت پرنے پر آپ کی محبت کا قرض خواہ اپنی جان دے کر ہی کیوں نہ چُکانا پڑے،ضرور ادا کرتے ہیں۔

کہانی'' نیکی کا بدلہ '' آذری بولی کی ایک کہاوت نیکی کا بدلہ بُرائی ہے ،پر مبنی ہے۔انسان پر جو کوئی احسان کرے یا نیکی سے پیش آئے وہ اُس کا بدلہ اکثر بُرائی سے ہی دیا کرتے ہیں ۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ تم جس پر احسان کرو اُ س کے شر سے بچو ،کے مصداق انسان کو زہریلے سانپ سے نجات دلانے والی لومڑی کے احسان کا بدلہ انسان نے شکاری کو اُس کا پتا دینے کی صورت میں دیا ۔کہانی کا اندازِ بیان بے حد دلچسپی کا حامل ہے ۔اس کا مطالعہ کرتے ہوئے کہانی اپنی پوری جزئیات کے ساتھ ذہن کے پردے پر اپنی صورت گری کرتی محسوس ہوتی ہے۔چھوٹے بچوں کے لیے بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ خوبصورت اور دلنشیں انداز اور نرم ملائم اور کومل الفاظ (ڈکشن) کے ساتھ فارسی زبان کی لوک کہانیوں کی مختلف جلدوں سے کہانیاں منتخب کر کے ترجمہ کی گئی ہیں۔یہ نہ صرف لوک کہانیوں کے ضمن میں بلکہ ترجمے کے فن کے حوالے سے بھی بڑی خدمت ہے ۔

کہانی '' محمود بڑھئی '' بھی ایک مختصر کہانی ہے ،جس میں یہ سبق موجود ہے کہ جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے ۔اللہ کی ذات پر کامل توکل کرنے اور اُس سے ہی مدد طلب کرنے والوں کا ساری دنیا مل کر بھی کبھی کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔مشکل میں جہاں انسان کی عقل ختم ہوتی ہے وہیں سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا آغاز ہوتا ہے لہٰذا ہر حال میں اُسی سے توقع رکھنی چاہیے۔

کہانی'' چوزہ فروش''ایران کے مشہور شہراصفہان کے حوالے سے ہے ،پرانے زمانے میں کہا جاتا تھا کہ اصفہان میں چوزے اچھی قیمت پر فروخت ہوتے ہیں ۔یہ سن کر ایک دیہاتی نے سو چوزے خرید کر اصفہان کا رُخ کیامگر

اُس کا دھوکے کھا کھا کربہت بُرا حال ہوا۔یہاں تک کہ تھانے اُسے خوب پیٹا بھی گیا ۔اس کہانی کا انجام مُلاحظہ کیجیے:

> '' مار کھاتے کھاتے اچانک وہ بول پڑا:خدا کے لیے بس کر دو۔اللہ لعنت کرے اس شخص پر جو چوزے بیچنے پھر کبھی اصفہان آئے۔تھانے دار نے کہا :اس کا کیا مطلب ہے؟بے چارے دیہاتی نے رو رو کر ساری داستان سنا دی۔تھانے دار کے کہنے پر اسے آزاد کر دیاگیا۔جب وہ جانے لگا تو تھانے دار نے کہا:خبردار، آئندہ چوزے بیچنے کے لیے کبھی اصفہان کا رخ نہ کرنا!۔'' (۱۸)

کہانی'' جھگڑالو بیوی''بہت دلچسپ انداز بیان کی حامل ہے ۔اس میں جھگڑالو اور زبان دراز خاتون کے ہاتھوں لطیف سے مزاح کے ذریعے عاجز آنے والے اُس کے شوہر اور اژدہے کا حال بیان کیا گیا ہے۔یہ کہانی بہت مزیدار اسلوب میں اُردو کے قالب میں ڈھالی گئی ہے ،دلچسپ اندازِ بیان اور خوبصورت اسلوب کی حامل اس کہانی کا مطالعہ لطف اندوز کرنے کے ساتھ ساتھ بد زبانی اور بد کلامی جیسے عیب کے نقصانات کا بھی احساس دلاتی ہے۔

کہانی'' جادوئی مچھلی'' کا انتخاب اس بنا پر کیا گیا ہے کہ اس سے ایک عمدہ اخلاقی سبق یہ ملتا ہے کہ اگر کسی پر احسان کیا جائے تو وہ کبھی نہ کبھی احسان کا بدلہ اچھائی اور نیکی کے بدلے میں ضرور چُکاتا ہے۔اس کہانی کا موضوع اور اسلوب بھی بیحد عمدہ ہے۔شہزادے نے خوبصورت مچھلی کی جان بخشی کی تو اُس نے شہزادے کی ایک انسان کے رُوپ میں اُس کی مدد کی اور اُسے اپنے قدموں کے نیچے کی مٹی دی کہ اپنے نابینا باپ کی آنکھوں سے لگاؤ ،یوں اُس نے شہزادے کے احسان کا بدلہ نیکی سے چُکایا۔

ایرانی لوک کہانیوں کے انتخاب اور اُردو زبان میں تراجم کے مجموعے سفید پرندہ کی آخری کہانی'' خوش نصیب جوہری'' ایک نامی گرامی جوہری کی کہانی ہے ،جس کے مقدر اُس کی دکان میں تین یا چار قیراط وزن کے زمرد کے کھو جانے کے بعد بدل گئے اور اُسے ہر کام میں نقصان اٹھانا پڑا ۔اس پر اُس نے اپنے شہر کو چھوڑا اور دُور دراز کے ایک شہر کے ایک تاجر کے یہاں ملازمت اختیار کر لی اور معاوضے کے طور پر اُس کے باغ کے سب سے سر سبز و شاداب اخروٹ کے ایک درخت کا تقاضا کیا۔تا کہ اس کے ذریعے وہ اپنے مقدر کا جائزہ لے سکے۔درخت بالکل سوکھ گیا یہاں تک کہ اُسے کاٹ ڈالا گیا مگر پھر چار برس بعد اچانک اخروٹ کا وہ درخت دوبارہ سرسبز و شاداب ہو گیا تب جوہری نے تاجر کو ساری صورتحال بتا کر اپنے شہر مراجعت اختیار کی کہ اب اُ س کی خوش بختی کا آغاز ہو ا چاہتا تھا۔جب اُس نے اپنی دکان کھولی تو سامنے فرش پر وہ نایاب اور قیمتی زمرد پڑا جگمگا رہا تھا،جوہری نے اُسے اٹھا کر جیب میں رکھا اور اپنے گھر والوں سے جا ملا اور پھر وہ سب ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگے۔

ایک طرف ان فارسی لوک داستانوں اور کہانیوں سے ایرانی تہذیب اور

تاریخ کی تفہیم اور دوسری جانب بچوں کے ادب اور فارسی سے اُردو زبان میں ترجمے ان تینوں پہلوؤں کے باعث اس کتاب کی ا ہمیت مسلمہ ہے۔ معین نظامی نے بے حد محبت اور اپنائیت کے ساتھ ان کہانیوں کو اُردو زبان میں ترجمہ کیا ہے ۔یوں کہ یہ طبعزاد معلوم ہوتی ہیں۔اس کتاب میں شامل کہانیوں کا مطالعہ کیا جائے تو بچے ذہنی اعتبار سے سمجھدار ہو جائیں اور بڑے خود کو اپنے بچپن کے دورمیں محسوس کرنے لگیں گے۔عصرِ حاضرکے گلوبلائزڈ معاشرے میں جبکہ قاری کتاب سے عدم پیوستگی کا شکار ہو چکا ہے اور کہانی سننے اور کہانیوں کے مطالعے سے دوری اختیار کر چکا ہے ،فارسی کہانیوں کے ترجمے پر مشتمل یہ مجموعہ سفید پرندہ قاری اور کتاب کے اس گُم گشتہ رشتے کو از سرِ نو قائم کر سکے گا۔چھوٹے بچے کہانیاں سننے اور پڑھنے کے بجائے موبائل فونز اور ٹیلی ویژن و لیپ ٹاپ پر مختلف کارٹون دیکھنے کے عادی ہو چکے ہیں، امیجینیشن سے محروم ہو چکے ہیں۔ ڈورے مان ،اوگی اور موٹو پتلو کے سحر میں جکڑے ہوئے بچے جب ان کہانیوں کا مطالعہ کریں گے تو ایک طرف اُن کی فکری تربیت ہو گی اور دوسری جانب تخیل اور تصور کی طاقت کا وفور ہو گا نیز اُمید کی جاسکتی ہے کہ نئی نسل اپنے اسلاف اور اپنے ماضی سے وابستگی اختیار کرے گی۔ایرانی لوک کہانیوں کے اُردو تراجم کا سلسلہ ہنوز جاری ہے اور اس سلسلہ کی پہلی کتاب '' سفید پرندہ'' کے بعد اُمید ہے کہ اس سلسلے کی مزید کتب طبع ہو تی رہیں گی اور نئینسل کے ہاتھوں میں موبائل فونز ،پستول کے بجائے کتاب ہو گی ،جس سے حظ اٹھانے کے ساتھ ساتھ وہ اپنی شخصیت سازی بھی کر سکے گی۔

حوالہ جات

۱۔ شفیع عقیل،پنجابی لوک کہانیاں،لاہور:عزیز پبلشرز،اشاعت دوم ،۱۹۹۹ء،۳-۲
۲۔ سہیل احمد خان،محمد سلیم الرحمن،تالیف،منتخب ادبی اصطلاحات،لاہور: شعبہ اُردو جی سیبونیورسٹی،بارِاوّل ، ۲۰۰۵ء، ۹۲
۳۔ شفیع عقیل،پنجابی لوک کہانیاں،لاہور: عزیز پبلشرز،اشاعت دوم،ص،۱۶،۱۷
۴۔ شفیع عقیل،جرمن لوک کہانیاں،کراچی: ۱۹۸۳ء،دوسرا ایڈیشن،۱۸-۱۷
۵۔ شفیع عقیل،چینی لوک کہانیاں،کراچی:انجمن ترقی اُردو پاکستان،اشاعت اوّل ،۱۹۷۵ء،۱۵-۱۳
۶۔ ایرانی لوک کہانیوں کے حوالے سے اب تک منظر عام پر آنے والی ساٹھ سے زائد تحقیقی و تجزیاتی کتب کا شمار اور ایرانی لوک کہانیوں کی ترتیب و تدوین اور تحقیق اور تنقید کے میدان میں اہم ایرانی محققین کے اسمائے گرامی الف بائی ترتیب سے معین نظامینے اپنی فارسی کہانیوں کے اُردو ترجمے پر مبنی کتاب سفید پرندہ(ایرانی لوک کہانیاں) کے دیباچے میں شامل کیے ہیں تاکہ مقامی اہل دانش و تحقیق ان سے مستفید ہو سکیں۔۱۹۸۶-۷ء مینیہ کتاب شائع ہوئی،اُس وقت لوک کہانیوں کے موضوع پر یہ شفیع عقیل کی چھٹی کتاب تھی۔ایرانی لوک کہانیاں کی اشاعت ِدوم۲۰۰۱ء تک اس سلسلے کی دس اور مجموعی طور پر اُن کی تیس کتب منظر عام پر آچکی تھیں۔ ایرانی لوک کہانیاں کے اوّلین ایڈیشن میں اٹھارہ کہانیاں شامل تھیں مگر بعد ازاں مزید دو کہانیوں کا اضافہ کر کے کل بیس کہانیوں کے ساتھ اس کا دوسرا ایڈیشن۲۰۰۱ء میں شائع ہوا۔
۸۔ شفیع عقیل،ایرانی لوک کہانیاں باز نویسی،کراچی: نیشنل بک فاؤنڈیشن ،۱۹۸۶ء،طبع دوم ، ۲۰۰۱ء، ن - م
۹۔ تحسین فراقی،ڈاکٹر، مترجم اچھے بچوں کے لیے اچھی کہانیاں،مؤلف مہدی آذریزدی ،لاہور:ادارہ مطبوعات سلیمانی، ایڈیشن سوم ،۲۰۱۵ء،ص،۸،۹
۱۰۔ ڈاکٹر تحسین فراقی نے ایرانی کہانیوں کے تراجم پر مشتمل کتاب اچھے بچوں کے لیے اچھی کہانیاں کے ابتدائیے مینمرزبان نامہ کے حوالے سے آسان اور سادہ زبان میں معلومات بہم پہنچائی ہیں۔فارسی نثر کے ارتقا میں مسلمہ اہمیت کی حامل اس کتاب کے اب تک تین نسخے شائع ہو چکے ہیں ۔ اس کی تفصیل انھوں نے درج کی ہے کہ تین ایرانی فضلا محمد ابن عبدالوہاب قزوینی ،ڈاکٹرخلیل خطیب رہبر اور محمد روشن نے اسے مرتب کیا ہے۔ان میں قزوینی کا مرتب کردہ نسخہ اوّلیت کا شرف رکھتا ہے کہ یہ پہلی بار ہا لینڈ سے ۱۹۰۹ء میں شائع ہوا۔تاہم محمد روشن کا مرتبہ مرزبان نامہ اس ضمن میں تدوین کا سب سے اہم کارنامہ ہے۔
۱۱۔ تحسین فراقی،ڈاکٹر،اچھے بچوں کے لیے اچھی کہانیانمؤلف مہدی آذریزدی،۱۲۔
۱۲۔ معین نظامی صاحب نے فرہنگ ِ افسانہ ہای مردمِ ایران از علی اشرف درویشیان و رضاخندان مہا بادی،تہران،سولہ جلدیں،۱۹۹۱ء تا ۲۰۰۳ء کی مختلف جلدوں سے بائیس ایرانی لوک کہانیاں منتخب کر کے انھیں اُردو کے

قالب میں ڈھالا ہے ۔یہ اس سلسلے کی پہلی کتاب ہے۔(علی اشرف درویشیان نامور ایرانی افسانہ نگار ، ناول نگار، ایرانی لوک کہانیوں کے خالق اور دانشور تھے۔رضا خندان مہابادی....)

۱۳۔ معین نظامی،سفید پرندہ(ایرانی لوک کہانیاں)،انتخاب و ترجمہ،لاہور: ادارہ فروغِ اُردو،اشاعت اول،اپریل، ۲۰۱۸ء،۸

۱۴۔ معین نظامی،سفید پرندہ(ایرانی لوک کہانیاں)،انتخاب و ترجمہ،ایضاً،۱۲

۱۵۔ معین نظامی، '' دُم کٹی لومڑی''مشمولہ سفید پرندہ(ایرانی لوک کہانیاں)،۳۴

۱۶۔ معین نظامی ،'' سفید پرندہ'' مشمولہ سفید پرندہ(ایرانی لوک کہانیاں)،۵۳-۵۲

۱۷۔ معین نظامی،''چوزہ فروش''مشمولہ سفید پرندہ(ایرانی لوک کہانیاں)،۹۰